کیا بھائی بھائی کو قتل کریگا

صفحہ ۶ ملاحظہ کیجئے

۱۷- ۲۳ مارچ ۱۹۷۸ء

قیمت: دو روپے پچاس پیسے

یہ جنرل جنرل جنرل دنیا
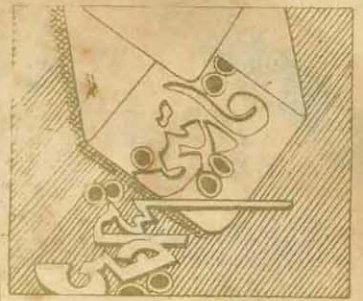
بلوچستان کا مسئلہ اور عوام

بلوچستان کے مسئلے پر ملک کے طول و عرض میں تبصرے اور خیال آ رہے ہیں لیکن ہمارے ساتھ ہمیشہ سے یہ بدقسمتی رہی ہے کہ بلوچستان کے حالات کی اکثر غلط طور پر عکاسی کی گئی ہے جس کی وجہ سے مسئلہ حل ہونے کی بجائے مزید بگڑتا چلا گیا ہے اور اس مسئلے میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں بلوچستان کا مسئلہ جیسے کہ ہر باشعور شخص پر واضح ہے پاکستان کے تمام مظلوم اور کچلے ہوئے عوام کے حقوق کا مسئلہ ہے اور بلوچ عوام نے ان حقوق کی جدوجہد کا علم سالہا سال سے اپنا خون دیکر اٹھائے رکھا۔ بلوچ عوام نے اپنی منصفانہ جدوجہد سے یہ ثابت کر دکھایا ہے کہ ان کی جدوجہد کسی ایک فرد یا قوم کے خلاف یا ذاتی مفادات، جہالت پر مبنی یا قبائلی منافرت نہیں بلکہ تمام ظالم قوتوں کے خلاف اپنے جمہوری حقوق کے لیے ہے اور یہ ملک کی تمام قومیتوں کی جدوجہد کا ہراول دستہ ہے جس کا مقصد قومیتوں کے حقوق کو تسلیم کرانا اور انہیں زندگی کے تمام شعبوں میں برابری کی بنیاد پر زندہ رہنے کا حق دلانا ہے۔ اس جدوجہد کو صوبائیت یا علاقائیت کا نام دینے کا مقصد اس کی صحیح روح کو مسخ کر کے ملک کے دیگر ترقی پسند قوتوں کو اس سے بدظن کرانا ہے جبکہ حقیقتاً بلوچ عوام نے اپنی جدوجہد اور قربانیوں سے کسی قسم کا تعصب یا تنگ نظری کا ثبوت نہیں دیا ہے۔ بلوچ جدوجہد کی تاریخ شاہد ہے کہ ملک بھر میں ہر قسم کے جبر و استبداد کے خلاف بلوچوں نے سب سے پہلے صدائے احتجاج بلند کیا ہے اور جمہوری قوتوں کا ساتھ دیا ہے بلوچ عوام نے بھٹو کے سات سالہ فسطائیت اور آمریت کے دور میں ملک میں قومیتوں کے حقوق اور جمہوریت کی تحریک کو اپنے خون سے سینچا۔ اور دیگر ترقی پسند قوتوں کو حوصلہ بخشا۔ آج جبکہ ملک میں بھٹو حکومت کو ختم ہوئے آٹھ ماہ گذر چکے ہیں اور ملک میں مارشل لاء نافذ ہے بعض عناصر جن میں چند خود ساختہ ہمدرد بھی شامل ہیں بلوچستان میں بہتری اور خوشحالی کی بات کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونک رہے ہیں۔ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ بھٹو کی شکست کے باوجود بلوچوں کے ساتھ منفی رویہ جاری ہے اور بھٹو اور اس سے پہلے کے حکمرانوں جیسا رویہ برقرار ہے۔ موجودہ حکومت اگر بلوچستان کے مسئلے کے حل میں صحیح معنوں میں مخلص ہے تو اسے بلوچستان کے دیرینہ عوامی مطالبات جن میں فوجوں کی ڈسٹرکٹ کی سطح پر واپسی تمام قلی کیمپوں کا خاتمہ اور بے گھر لوگوں کی آباد کاری، نیز مکمل صوبائی خود مختاری شامل ہیں تسلیم کر لینے چاہئیں۔ دوسری صورت میں بلوچستان کے مسئلے کا حل محض ایک ڈھونگ ہوگا۔

عبدالسلام بلوچ صدر، علی احمد بلوچ جنرل سیکریٹری بی ایس او (عوامی گروپ) کوئٹہ۔

ٹکا خان، انٹرویو پسند آیا

گذشتہ شمارہ میں سابق چیف آف آرمی اسٹاف کا انٹرویو پڑھا۔ یقین کیجئے ہمیں بڑی خوشی ہوئی۔ ہم انہیں اپنی جانب سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

خان محمد پنہور۔ تھر پارکر

قول و فعل کا تضاد

ڈاکٹر مبشر حسن کا جنہیں آج کل اخبارات میں لکھنے کا چسکا پڑا ہوا ہے ایک مضمون ہفت روزہ الفتح میں پڑھا جس کا عنوان "فکر فردا بنیادی مسائل" ہے۔ اس میں انہوں نے دو طبقوں کی نشاندہی کی ہے یعنی مظلومین اور ظالمین کے علاوہ انہوں نے اس طویل مضمون میں ہمارے معاشرے کے مختلف پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے لیکن ڈاکٹر صاحب بہت دیر سے بولے۔ اب انہیں اس معاشرے میں یہ سب کچھ نظر آیا۔ کیا انہوں نے ایئرپورٹ پر کاریں صاف کرنے والے لڑکے اعجاز کو اس وقت نہ دیکھا جب وہ خیر سے وزیر خزانہ تھے انہیں اس وقت کسی کچی آبادی میں جانے کی توفیق نہ ہوئی۔ انہوں نے لکھا ہے کہ ستمبر ۱۹۷۵ء میں پنجاب پولیس نے مبینہ طور پر ۳۲ افراد کو جن میں دو صوبائی وزیر شامل تھے اغوا کیا اور دلائی کیمپ بھیجدیا۔ لیکن یہاں ڈاکٹر صاحب نے یہ دھاندلی کی کہ صرف پولیس کا نام لے کر اس کو بدنام کیا۔ اور یہ نشاندہی نہ کی کہ یہ سب کچھ کس کے حکم پر ہوا ہے اگر ڈاکٹر صاحب روپ بدل بدل کر مظلوم کی حمایت کریں تو کوئی اس کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوگا۔ دراصل ہمارے معاشرے میں قول و فعل کا تضاد اس کثرت سے موجود ہے کہ اسے ختم کرنا ہمارے بس میں نہیں ہے اور جب تک ہم یہی کچھ کریں گے جو کہیں ہمارا معاشرہ اس راستے پر چلتا رہے گا۔

محمد اکرم مرزا۔ منڈی بہاؤالدین

بائیں بازو کا اتحاد

آپ کے کالموں میں کچھ عرصہ سے بائیں بازو کے اتحاد کی خبریں پڑھ رہا ہوں۔ یقیناً بائیں بازو کا اتحاد وقت کی اہم ترین ضرورت ہے لیکن نہ جانے کیوں یہ اتحاد قائم نہیں ہوا پچھلے شماروں میں جناب خان گل اور طارق منیر نے بھی تحریر کیا کہ بائیں بازو کی تمام پارٹیاں متحد ہونا چاہتی ہیں اور ان میں شخصیت کا ٹکراؤ نہیں ہے کچھ عرصہ پیشتر کراچی میں بائیں بازو کی آٹھ جماعتوں کا مشترکہ اجلاس کیٹرک ہال میں ہوا تھا مگر کوئی نتیجہ سامنے نہیں آیا۔ ابھی حال ہی میں پنجاب اور سرحد کے کئی ترقی پسند رہنما کراچی آئے تھے مگر گفت و شنید برخاست سے آگے معاملہ نہیں بڑھا۔ بائیں بازو کے متعدد لیڈران سے ملاقات کر کے یہی خوشی بھی حاصل ہوئی جنہوں نے کراچی، اندرون سندھ اور پنجاب سرحد بلوچستان میں مشترکہ حکمت عملی کی بنیاد پر کام شروع کر دیا ہے یہ لوگ عوام میں پہلے سے مقبول ہیں اور برابر مقبولیت حاصل کر رہے ہیں اسی بنیاد پر یہ کہنا پڑتا ہے کہ بائیں بازو کا اتحاد ایک اٹل حقیقت ہے یہ قائم ہوا ہے اور قائم ہوگا۔ اور اس ملک کے غریب عوام مظلوم اور کچلے ہوئے طبقہ کا نجات دہندہ بنکر ابھرے گا۔ اور پاکستان کو ایک صحیح فلاحی استحصال سے پاک ترقی پسند ملک میں تبدیل کر دے گا۔

آفتاب احمد۔ کراچی۔

مزدور اور حق ہڑتال

پاکستان ورکرز رابطہ کمیٹی کی ترجمانی کنونینگ کمیٹی کا اجلاس ۳ مارچ کو راولپنڈی میں پیپلز لیبر فرنٹ کے دفتر کمیٹی کے ایک رکن اور لاہور مزدور رابطہ کمیٹی کے جنرل سیکرٹری جناب ضیاء الدین بٹ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ لاہور۔ ملتان، کراچی پشاور اور راولپنڈی سے کنونینگ کمیٹی کے ارکان نے اجلاس میں شرکت کی۔ اجلاس میں ٹریڈ یونین سرگرمیوں پر عائد پابندیوں کی وجہ سے پیدا ہونے والے مزدوروں کے مسائل نیز مزدوروں کے دیگر درپیش مسائل پر غور کیا گیا۔ ۱۶ فروری کو یوم جدوجہد جراٗت مندانہ طور پر منانے کے سلسلہ میں ملک بھر کے محنت کشوں کو مبارکباد پیش کی گئی اور مزدوروں کے مطالبات پر حکومت کی ہٹ دھرمی پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اور اس عزم کا اعادہ کیا گیا کہ محنت کشوں کو استحصالی طبقات کے خلاف بھرپور جدوجہد جاری رکھنا ہے اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعے ٹیلیویژن کارپوریشن کے کارکنوں کو اپنی بھرپور حمایت کا یقین دلایا گیا۔ اور مطالبہ کیا گیا کہ گرفتار شدگان کو فی الفور رہا کر کے انہیں ملازمت پر بحال کیا جائے۔ مذاکرات کے ذریعے ان کے مطالبات تسلیم کیے جائیں اجلاس میں اخبارات ابلاغ عامہ کے دوسرے اداروں تعلیم و ثقافت سے متعلق نیز ٹریڈ یونین کے سرگرم کارکنوں اور اختلاف رائے کا اظہار کرنے والوں کو بے روزگار کرنے کی دھمکی دی کی مذمت کی گئی۔ اور اعلان کیا کہ ملک بھر کے محنت کش صحافیوں اساتذہ اور فنکاروں کے مطالبات کی تائید کرتے ہیں اور ان پر حملے کو اپنے اوپر حملہ تصور کرتے ہیں۔ اجلاس میں کالونی ٹیکسٹائل ملز ملتان کی مجلس عمل کے عہدیداروں اور سرگرم کارکنوں کی گرفتاری کی مذمت کی گئی۔ اور مطالبہ کیا کہ ملتان کے مزدوروں کے خلاف دہشت گردی کا سلسلہ فی الفور بند کیا جائے مجلس عمل کے تمام مطالبات منظور کیے جائیں گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے۔ نیز تمام کارکنوں کے وارنٹ گرفتاری واپس لیے جائیں۔ اجلاس میں کالونی ملز ملتان کے مزدوروں پر فائرنگ کی سرکاری رپورٹ کو شائع کرنے اور ہائیکورٹ کے تین ججوں سے غیر جانبدارانہ تحقیقات کرانے کا مطالبہ کیا گیا اجلاس میں لازمی سروسوں کا قانون ایک سیاہ قانون ہے اس کی فی الفور تنسیخ کی جائے اجلاس میں پٹ فیڈر اور سرحد کے مختلف مقامات پر کسان کارکنوں کی گرفتاری کی شدید مذمت کی گئی۔ اور ان کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا اجلاس میں ٹریڈ یونین سرگرمیوں سے مکمل پابندی ختم کرنے مزدوروں کے ہڑتال کے حق کو بحال کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اجلاس میں پی آئی اے کے ملازمین کے مطالبات تسلیم کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اجلاس میں بڑھتی ہوئی کمر توڑ مہنگائی پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اور مطالبہ کیا گیا کہ مہنگائی کا سدباب کیا جائے غیر ہنرمند مزدور کی بنیادی تنخواہ اشیائے صرف کی قیمتوں کے تناسب سے مقرر کی جائے۔

لقمان مرزا پی ایل ایف راولپنڈی

کالا باغ میں نجی جیلیں

آپ کے ہفت روزہ کے توسط سے کالا باغ قومی اتحاد کے ان کارکنوں کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں جو تاحال نوابزدگان کی غیر قانونی جیلوں میں پابند سلاسل ہیں لیکن تاحال اغواء شدگان کی بازیابی کے لیے کوئی کارروائی نہیں کی گئی۔ کیا کالا باغ پاکستان کا حصہ نہیں ہے یا نوابزدگان کالا باغ پر آئین پاکستان لاگو نہیں ہوتا۔ ایک ترنم کے اغوا اور قتل سے پورے پاکستان کا پریس حرکت میں آ چکا ہے مگر ظالم نوابین کالا باغ کے مظالم کے خلاف کیوں خاموشی ہے۔ ہم استدعا کرتے ہیں کہ ان مظلوموں کی رہائی کے لیے ہماری کوشش میں شامل ہو جائیں۔ حافظ عبدالرحیم کو کسان ریلوے اسٹیشن پر جبراً ریل کار سے اتار کر اغواء کر لیا گیا ہے یہ واقعہ یکم مارچ ۱۹۷۸ء کا ہے یہ شخص تاحال نواب زادگان کالا باغ کی ذاتی جیل میں محبوس ہے۔ قاضی غلام مرتضیٰ اور

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

ایڈیٹر
وہاب صدیقی

ایسوسی ایٹ ایڈیٹر
واحد بشیر

کالم نگار
حسین نقی
شبیہہ الحسن

سچ جھوٹ
امر جلیل
طنز و مزاح
ابو ضیا اقبال

اسلام آباد
حمید شیراز

صوبائی نمائندے
احسان عظیم
سندھ مقیم حیدرآباد
کاشف
پنجاب مقیم لاہور
شہزاد غزنوی
سرحد مقیم پشاور
ناصر عرفات
بلوچستان مقیم کوئٹہ

انتظامی امور
وقیع احمد صدیقی

آرٹسٹ
سعید الدین

خاص مضامین

ایوب کھوڑو اور قاضی اکبر انٹرویو دے آتے ——— غیبوں کی ڈائری ——— ۷
چیف الیکشن کمشنر کی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات ——— حمید شیراز ———
الشمس، رومال تحریک۔ قسط۔ ۲ ——— ڈاکٹر امدین کمال ———
حیدرآباد میں امریکی سفیر کی سرگرمیاں تیز کر دیں ——— احسان عظیم ——— ۳۲

خدا کی بستی کے مظلوم عوام کا ترجمان

ہفت روزہ
الفتح
کراچی

۱۷-۲۴ مارچ ۱۹۷۸ء	جلد: ۸ شمارہ: ۴۵	ٹیلیفون ۴۳۲۲۷۴	قیمت ۲-روپے ۵۰ پیسے

ضلعی نمائندے

○ ناصر خاں، میرپورخاص ○ ایاز سندھی، سانگھڑ ○ ابراہیم عباسی، خیرپور، سکھر، جیکب آباد، لاڑکانہ
○ کامل سموں، ٹنڈوالہیار ○ ناصر زیدی، ملتان ○ فاروق طارق، شیخ شوکت علی، فیصل آباد، گوجرانوالہ ○ محمد افضل جنجوعہ
○ قاضی غیاث الدین جانباز، شیخوپورہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ ○ سلیمان شیروف، گوادر ○ روشن ملک، میانوالی ○ سید نذیر گیلانی، آزاد کشمیر

غیر ممالک

■ پیکنگ، رشید بٹ ■ ماسکو، محمد زاہد ■ کینیڈا، سید ابن سعود ■ لندن، عبدالحفیظ قریشی
■ متحدہ عرب امارات مقیم دبئی، غلام جیلانی

ارشاد راو پبلشر نے ناظر پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ہفت روزہ الفتح ۶۹-۵ ڈی نرسری کمرشل ایریا۔ پی، ای، سی، ایچ، ایس کراچی ۲۹ سے شائع کیا

کوٹہ سسٹم اور احساس محرومی

ہر استحصالی معاشرے میں حکمران طبقات ہی پیداوار کے ذرائع اور وسائل پر قابض ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے تضادات کی مختلف صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہ تضاد صرف اقتصادی اور سیاسی میدان تک محدود نہیں رہتے بلکہ زندگی کے ہر شعبے میں جاری و ساری رہتے ہیں یہاں تک کہ تعلیم اور کلچر بھی ان سے مبرّا نہیں ہوتے۔ استحصالی طاقتیں شہروں کو اپنی توجہ اور تمام سیاسی اقتصادی اور کلچرل سرگرمیوں کا مرکز بناتی ہیں۔ اس طرح شہر کے رہنے والے دیہات کے رہنے والوں پر برتری حاصل کر لیتے ہیں دوسرے الفاظ میں استحصالی معاشرے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہوتی ہے کہ شہر دیہاتوں کا استحصال کرتے رہتے ہیں۔

ان معروضات کی ضرورت یوں پیش آئی کہ سندھ میں فنّی کالجوں میں داخلے کا مرحلہ درپیش ہے۔ اور مراعات یافتہ گروہوں اور ان کے ترجمانوں نے ایک بار پھر یہ شور و غوغا بلند کرنا شروع کر دیا ہے کہ فنّی کالجوں میں داخلے صرف صلاحیت کی بنیاد پر دیئے جائیں۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مطالبہ کرنے والوں کے پاس صلاحیت کا معیار کیا ہے؟ کیا امتحان میں حاصل کردہ نمبر طالب علم کی صلاحیت کا تعین کرتے ہیں؟ ہم پاکستانی ماہرین تعلیم کی اس رائے کو حقیقت سے قریب تر سمجھتے ہیں کہ ہمارے ہاں طریقہ امتحان ایسا ہے کہ اس سے طالب علم کی فہم و فراست کو جانچا نہیں جا سکتا۔ صرف اس کی یادداشت کا امتحان ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ شہروں کے باسی مراعات یافتہ گروہوں کے طلبا قبل از وقت امتحانی پرچے معلوم کر کے اس کے مطابق تیاری کر لیتے ہیں ۔۔۔ اس کے بعد ان کے والدین اور سرپرست اپنے اثر و رسوخ کے ذریعے انہیں زیادہ سے زیادہ نمبر دلوانے کی کوشش کرتے اور اکثر اس میں کامیاب ہوتے ہیں۔ کیا اس طریقے سے حاصل کردہ برتری کو درست جانا جا سکتا ہے؟

ہم نے پہلے بھی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ پچھلے دنوں کوٹہ سسٹم کو غلط طریقے پر بھی استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ شہریوں نے دیہاتیوں کے حق پر ڈاکہ ڈالنے کے لیے جعلی ڈومیسائل بنوائے ہیں اور بات یہاں تک پہنچی کہ ایسے لوگوں نے بھی دیہی علاقوں میں سکونت کے صداقت نامے حاصل کر لیے جنہوں نے کبھی ان علاقوں کی شکل تک نہیں دیکھی۔ اس کے باوجود ہم اس بات کو کسی بھی اعتبار سے مفید نہیں سمجھتے کہ کوٹہ سسٹم کو ختم کر دیا جائے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ علمی نکتہ نگاہ سے یہ طریقہ اصل مسئلے کا مستقل حل نہیں ہے۔ اور یہ بھی جانتے ہیں کہ شہروں اور دیہاتوں کے معیار زندگی، موجودہ تعلیمی اور کلچرل سہولتوں کے فرق کی موجودگی میں یہ مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ۔۔۔ لیکن ہم اس بات سے اتفاق نہیں کر سکتے کہ صورتحال کی اصلاح کے نام پر مظلوم لوگوں پر اور ظلم کیا جائے، محرومیوں کے شکار لوگوں کی محرومیوں میں مزید اضافہ کیا جائے۔

ان سب باتوں کے علاوہ اگر اندرون سندھ کے باشندوں کے موجودہ احساس محرومی کو سامنے رکھا جائے تو یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اس وقت کوٹہ سسٹم کے خاتمے کی کوشش صرف منفی نتائج ہی پیدا کر سکتی ہے اور کوئی ہوشمند فرد ایسی کوشش کو اچھی نظروں سے نہیں دیکھ سکتا۔

نہج البلاغہ
خطبہ ۳۲

---اور ظالم اپنی سرکشی میں بڑھتا ہی جاتا ہے

اے لوگو! ہم ایک ایسے کج رفتار زمانے اور ناشکر گزار دنیا میں پیدا ہوئے ہیں کہ جس میں نیکوکار کو خطاکار سمجھا جاتا ہے اور ظالم اپنی سرکشی میں بڑھتا ہی جاتا ہے۔ جن چیزوں کو ہم جانتے ہیں، ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور جن چیزوں کو نہیں جانتے انہیں دریافت نہیں کرتے اور جب تک مصیبت آ نہیں جاتی، ہم خطرہ محسوس نہیں کرتے (اس زمانے کے) لوگ چار طرح کے ہیں۔ کچھ وہ ہیں، جنہیں مفسدہ انگیزی سے مانع صرف ان کے نفس کا بے وقعت ہونا، ان کی دھار کا کند ہونا اور ان کے پاس مال کم ہونا ہے۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں جو تلواریں سونتے ہوئے علانیہ شر پھیلا رہے ہیں، اور انہوں نے اپنے سوار اور پیادے جمع کر رکھے ہیں۔ صرف مال بٹورنے یا کسی دستہ کی قیادت کرنے، یا منبر پر بلند ہونے کے لیے انہوں نے اپنے نفسوں کو وقف کر دیا ہے اور دین کو تباہ و برباد کر ڈالا ہے۔ کتنا ہی برا سودا ہے کہ تم دنیا کو اپنے نفس کی قیمت اور اللہ کے یہاں کی نعمتوں کا بدل قرار دے لو اور کچھ لوگ وہ ہیں جو آخرت والے کاموں سے دنیا طلبی کرتے ہیں اور یہ نہیں کرتے کہ دنیا کے کاموں سے بھی آخرت بنانا مقصود رکھیں۔ یہ اپنے اوپر بڑا سکون و وقار طاری رکھتے ہیں۔ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں اور اپنے دامنوں کو اوپر کی طرف سمیٹے رہتے ہیں، اور اپنے نفسوں کو اس طرح سنوار لیتے ہیں کہ لوگ انہیں امین سمجھ لیں۔ یہ لوگ اللہ کی پردہ پوشی سے فائدہ اٹھا کر اس کا گناہ کرتے ہیں اور کچھ لوگ وہ ہیں جنہیں ان کے نفسوں کی کمزوری اور ساز و سامان کی نافراہمی ملک گیری کے لیے اٹھنے نہیں دیتی۔ ان حالات نے انہیں ترقی و بلندی حاصل کرنے سے درماندہ و عاجز کر دیا ہے۔ اس لیے قناعت کے نام سے انہوں نے اپنے آپ کو آراستہ کر رکھا ہے اور زاہدوں کے لباس سے اپنے کو سج لیا ہے۔ حالانکہ انہیں ان چیزوں سے کسی وقت کبھی کوئی لگاؤ نہیں رہا۔ اس کے بعد تھوڑے وہ لوگ رہ گئے، جن کی آنکھیں آخرت کی یاد اور حشر کے خوف سے جھکی ہوئی ہیں اور ان سے آنسو رواں رہتے ہیں اور کچھ خوف و ہراس کے عالم میں ذلتیں سہہ رہے ہیں۔ اور بعض نے اس طرح چپ سادھ لی ہے کہ گویا ان کے منہ باندھ دیئے گئے ہیں — کچھ خلوص سے دعائیں مانگ رہے ہیں اور کچھ غمزدہ و دردرسیدہ ہیں جنہیں خوف نے گمنامی کے گوشہ میں بٹھا دیا ہے اور خستگی و درماندگی ان پر چھائی ہے۔ وہ ایک شور دریا میں ہیں (کہ باوجود پانی کی کثرت کے پھر وہ پیاسے ہیں)۔ ان کے منہ بند اور دل مجروح ہیں۔ انہوں نے لوگوں کو اتنا سمجھایا بجھایا کہ وہ اکتا گئے۔ اور اتنا ان پر جبر کیا گیا کہ وہ بالکل دب گئے اور اتنے قتل کیے گئے کہ ان میں (نمایاں) کمی ہو گئی۔ اس دنیا کو تمہاری نظروں میں کیکر کے چھلکوں اور ان کے ریزوں سے بھی زیادہ حقیر و پست ہونا چاہیئے۔ اور اپنے قبل کے لوگوں سے تم عبرت حاصل کر لو۔ اس سے قبل کہ تمہارے حالات سے بعد والے عبرت حاصل کریں اور اس دنیا کی برائی محسوس کرتے ہوئے اس سے قطع تعلق کرو۔ اس لیے کہ اس نے آخر میں ایسوں سے قطع تعلق کر لیا جو تم سے زیادہ اس کے والہ و شیدا تھے ■

جنرل ضیاء الحق اور اُن کے رفقاء سے ایک سوال

حسین نقی

جمعہ کی رات لاہور کی تاریخ کا ایک المناک واقعہ ہوا۔ تین ججوں کے گھروں کے سامنے ہوائی فائرنگ کا واقعہ۔ اس قابل مذمت واقعے کے سلسلے میں جب تک تمام حقائق سامنے نہ آئیں پاکستان کی موجودہ تشویشناک صورت حال میں اس پر شدید رنج کا اظہار کئے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ اس واقعے سے ہمارا پیارا لیکن بدقسمت ملک انتشار اور تباہی کے راستہ پر گامزن نظر آتا ہے۔ ابھی تک اس واقعہ کی رپورٹ کا اندراج ہوا ہے اور حالات اس کے متقاضی ہیں کہ اس تفتیش کی نگرانی ہائی کورٹ کے سربراہ کی زیر نگرانی ہو تاکہ اس کا کوئی پہلو تفتیش کئے بغیر نہ رہ جائے۔

پاکستان کے موجودہ حالات ہرگز اس بات کے متحمل نہیں ہو سکتے کہ اعلیٰ سول عدالتیں اس قدر اعصابی دباؤ کے تحت کام کریں۔ یہ دباؤ کسی بھی جانب سے آئے۔ اس کی کھلی اور بلاواسطہ مذمت کی جانی ضروری ہے کہ اس کے بغیر ہمیں ایک تہذیب یافتہ قوم کہلانے کا کوئی حق نہیں رہتا۔ اور خصوصاً ہماری تاریخ کے اس مرحلہ پر جب ہم ایک شدید اور تشویشناک بحران کے بھنور سے باہر نہیں آئے جو پچھلے سال اس مارچ کے مہینہ میں ۷، مارچ کے نتائج کے بعد سے شروع ہوا۔

پاکستان میں صحافت کی مصیبت یہ رہی ہے کہ وہ بروقت کچھ بھی کر سکنے کے قابل نہیں رہی اور پے در پے حملوں نے اس کے سارے اعصاب شکستہ کر دیئے لیکن یہ صحافیوں کی ہی ذمہ داری ہے کہ وہ اس مرحلے پر بھی پاکستان کو ۱۹۷۱ء کی تباہی کے بعد بچے ہوئے پاکستان کو ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے بچانے کی اپنی لبساط بھر کوشش کرے۔ بی بی سی نے پہلے بھی پاکستان نہیں بچایا اور اب بھی یہ اُس کی ذمہ داری نہیں۔ بلوں میں چھپنے سے، ریت میں سر چھپانے سے کچھ نہ کبھی پہلے بچا ہے نہ اب بچنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ سیاسی سرگرمیوں پر ایک ماہ کی پابندی اور اب جنرل ضیاء الحق صاحب کے ارشاد کے بعد کہ یہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے وہ اور ان کے رفقاء اُس وقت صورت حال کا مطالعہ کر کے یہ فیصلہ کریں گے کہ آیا اس پابندی کو اٹھا لیا جائے ہم صحافی سیاستدانوں سے مخاطب نہیں ہو سکتے اور ہمیں یہ فریضہ ادا کرنا ہی چاہیئے کہ ہم جنرل ضیاء الحق اور اُن کے رفقاء سے مخاطب ہوں۔ وہ سب بھی ہماری طرح اس ملک کے باشندے ہیں چاہے اس علاقے میں پیدا پرورش ہوتے ہوں یا قیام پاکستان کے ساتھ ہجرت کر کے یا اپنی پسند کے مطابق ملازمت پر آئے ہوں۔

جنرل ضیاء الحق (شاید اُن کے رفقاء بھی) اور ہم ایک دوسرے سے پاکستان کی ترقی اور خوشحالی کے طریقہ کار پر اختلاف رکھتے ہیں لیکن پاکستان کے وجود پر اس کے قیام پر اس کی آزادی اور خود مختاری پر ہمارے درمیان کسی اختلاف کی گنجائش تک نہیں ہونی چاہیئے کہ ہم دونوں

مولانا کوثر نیازی کی تہران یاترا لندن بھی جائیں گے

پیپلز پارٹی کے سابق سیکرٹری اطلاعات مولانا کوثر نیازی ۱۱، مارچ کی رات تہران روانہ ہوئے۔ اس سے قبل وہ پروگرام کے مطابق کراچی پہنچنے والے تھے، مگر نامعلوم وجوہ کی بنا پر پروگرام میں تبدیلی کر دی گئی اور وہ کراچی کی بجائے تہران پہنچ گئے۔ بعض ذرائع کے مطابق وہ کسی کانفرنس میں شرکت کی غرض سے تہران گئے ہیں اور وہاں سے وہ لندن جائیں گے۔ کانفرنس کے متعلق فی الحال کسی قسم کی اطلاع نہیں ملی ہے کہ وہ کب ہوگی، اور اس کی نوعیت کیا ہے مولانا کس حیثیت میں مدعو کئے گئے ہیں؟ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ مولانا تہران میں شہنشاہ سے ملاقات کریں گے۔

مولانا کوثر نیازی نے ۷، مارچ کو رائل ٹریولز لمیٹڈ لائل پور کے ذریعہ ایران کا ٹکٹ خریدا۔ مولانا کے ایک قریبی رفیق چوہدری شوکت علی سابق ایم پی اے نے ٹکٹ حاصل کیا۔ پی آئی اے کے شیڈول کے مطابق طیارہ کو رات سوا بارہ بجے تہران روانہ ہونا تھا۔ مولانا قدرے تاخیر سے خراماں خراماں چلتے ہوئے سیدھے وی آئی پی لاؤنج میں داخل ہو گئے۔ وہاں کچھ دیر ٹھہرے اور اس کے بعد طیارہ پر پہنچے۔ اس طرح پی آئی اے کی فلائٹ ایک بجے اپنی منزل کی جانب روانہ ہوئی۔

دوسرے دن نمائندہ الفتح نے مولانا کے بنگلہ پر فون کیا کسی مرد نے بھاری بھرکم لہجے میں جواب دیا: "مولانا اس وقت گھر میں موجود نہیں ہیں"۔

سوال کیا: "کیا ملک سے باہر گئے ہوئے ہیں؟"

جواب ملا: "نہیں، وہ پنڈی ہی میں ہیں۔ آپ اپنا ٹیلی فون نمبر دیدیں، مولانا آئیں گے تو انہیں بتا دیا جائے گا"۔

اور ہماری آئندہ نسلوں کی بقا اور فلاح کے لئے لازمی ہے۔

ہم الطاف حسین قریشی صاحب کی طرح پہلے یعنی ۱۹۷۱ء میں بنگلہ دیش میں عصبیت اور صوبہ پرستی کی چنگاری اور ایک تباہ کن آگ پھیلا کر بعد میں مگر مچھ کے آنسو نہیں نکالتے۔ نہ ہم نے ۳ مارچ اور پھر ۱۰ مارچ کو صوبائی تعصب کی چنگاری کو مشتعل کرنے کی مذموم حرکت کی ہے۔

میرا ذہن بھی اور ہاتھ بھی صاف ہیں۔ نہ یہ انگلیاں خون میں ڈوبی ہیں نہ ہی یہ ہاتھ حکمرانوں کے سامنے پھیلے نہ آئندہ پھیلیں گے۔ سچ کو جھوٹ کے ساتھ ملانے کے بھی یہ مرتکب نہیں ہوتے اور مصلحت پسندی حتیٰ کہ بے روزگاری جس کا سب سے طویل عرصہ بھٹو دورِ حکومت میں گذرا، نے بھی ان انگلیوں کو منافقت میں ملوث نہیں کیا۔ اپنی ذات کی بات کرنے سے مجھے گھن آتی ہے لیکن بعض مرحلوں پہ یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ سیاق و سباق سے بات چیت کی جائے۔ اس لئے بھٹو کے دور سے تاحال پابند، اپنے رسالہ پنجاب پنچ کے حوالہ سے میں اس سوال کو دُہراتا ہوں

"کیا بھائی، بھائی کو قتل کرے گا"؟

یہ سوال ۱۹۷۱ء میں "پنجاب پنچ" میں کیا گیا تھا۔ چونکہ الطاف قریشی صاحب، مدیر زندگی کو اس وقت سارے مشرقی پاکستان کے دورہ کے بعد (اس زمانہ کے "اُردو ڈائجسٹ اور زندگی" جنرل ضیاء الحق صاحب اور ان کے رفقا کار ازراہِ کرم پڑھ لیں) حالات بہت امید افزا نظر آتے تھے اور اب پھر انہوں نے پنجاب اور سندھ کے درمیان کھلا تعصب اور عصبیت پھیلانے کی جو کوشش فرمائی ہے اس کا بھی بغور مطالعہ فرمالیں۔

دوسرا سوال بھی اہم ہے۔ کیونکہ روزنامہ "جسارت" میں یونیورسٹی کے ہنگاموں کی تصویر کے نیچے یہ سُرخی دی گئی ہے کہ "شر پسندوں" کی پٹائی کی جا رہی ہے۔

۱۹۷۱ء میں بھی ہمارے اس وقت کے مشرقی پاکستانی بھائیوں کو "شر پسند" کہا جاتا تھا۔ آج کے بنگلہ دیش کے سربراہ جنرل ضیاء الرحمٰن بھی اسی فہرست میں تھے۔

ٹریڈ یونین پر سے پابندیوں کے اٹھنے کے بعد مزدور راہنما مرزا ابراہیم کے دورۂ سندھ پہ اور ٹریڈ یونین تحریک کے دیگر ترقی پسند راہنماؤں بشمول منہاج برنا جو کچھ "جسارت" "زندگی" "اسلامی جمہوریہ" اور مجموعی طور پر ترقی پسندوں پر روزنامہ "نوائے وقت" میں جو کچھ مشورہ جات اور نسخہ جات، اسلام، اسلامی نظامِ حیات اور نظامِ مصطفےٰ کے حوالے سے شائع ہو رہے ہیں۔ ان سب پر عمل درآمد کی جو تجاویز پیش کی جا رہی ہیں جنرل ضیاء الحق اور ان کے رفقا کو پاکستان کے وجود و بقا، پاکستان کے ارد گرد کی قوتوں اور طاقتوں اور ۱۹۷۱ء کے تجربہ کے حوالوں سے جانچنی چاہیئے۔

۱۹۷۱ء کا مغربی بازو اور ۱۹۷۸ء کا کل یعنی پورا پاکستان جغرافیائی، معاشی، ثقافتی ہر لحاظ سے ایک رہ کر ترقی کر سکتا، پھل پھول سکتا ہے۔ اس میں آباد پنجابی، سندھی، پٹھان، بلوچ، کشمیری، اردو بولنے والے سب مل جل کر، ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر چل سکتے ہیں، آگے بڑھ سکتے ہیں۔ غربت، بیماری بے روزگاری سب کچھ ختم ہو سکتی ہے۔ بغیر بھیک کے، بغیر دوسروں کی دی ہوئی بیساکھیوں کے۔

ایک دوسرے کے لئے قوتِ برداشت سے، کدورتوں اور نفرتوں کو پس پُشت ڈال کر ایک دوسرے سے خوف کھانے کے بجائے مل جُل کر ہی پاکستان کو اس کے موجودہ شدید بحران سے نکالا جا سکتا ہے۔ ایک دوسرے کا خون بہا کر ہرگز ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ اس سے صرف خون خرابے کے ہیبت ناک بندھن ہی کھولے جا سکتے ہیں۔

غیبوبت کی ڈائری

قاضی اکبر اور ایوب کھوڑو انٹرویو دے آئے

مولانا کوثر نیازی وفاقی مشیر بننا چاہتے ہیں

سیاسی سرگرمیوں پر پابندی بدستور جاری ہے اس ضمن میں کوئی بات وثوق سے نہیں کہی جا سکتی۔ کہ پابندی ۳۰ مارچ کے بعد اٹھا لی جائے گی یا اس میں مزید توسیع کی جائے گی۔ بہرحال اس کا انحصار موسم پر ہے۔ اور موسم ابر آلود ہے۔

مولانا کوثر نیازی اور میر افضل خان کی تو ٹی وی پر زیارت ہو گئی۔ انہوں نے پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے افغانستان کے صدر داؤد کے اعزاز میں دی گئی ضیافتوں میں شرکت کی جبکہ غلام مصطفےٰ جتوئی ان ضیافتوں میں نظر نہیں آئے اور کراچی واپس آ گئے سُنا ہے انہوں نے کسی سے بھی ملنے سے انکار کر دیا ہے حتیٰ کہ چوہدری ظہور الٰہی کی طرح ادبی تقریبات میں بھی شرکت سے "دامنِ ادب" بچا رہے ہیں

قریبی حلقوں نے بتایا کہ گزشتہ دنوں پارٹی کے اندر آنکھ مچولی کے کھیل میں انہوں نے ریفری بننے کی کوشش کی تھی مگر مولانا نے آتنا بریف کھیل پیش کیا کہ تماشائیوں کے احتجاج اور شور و غوغا میں ان کے وسل کی آواز گھٹ گھٹ کر کے رہ گئی اور لوگوں نے فاؤل فاؤل کا شور مچا کر مولانا کو خود میدان سے باہر کر دیا۔ سنا یہی گیا کہ انہوں نے مولانا سے مکمل طور پر منہ موڑ لیا ہے۔ ایک اطلاع یہی بھی ہے کہ وہ نواب محمد احمد خان کے مقدمے کے فیصلے کے بعد اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔

گذشتہ دنوں بلوچ رہنما عطاء اللہ مینگل، میر غوث بخش بزنجو اور خیر بخش مری اسلام آباد روانہ ہوئے جبکہ شیر محمد مری ان کے ساتھ اسلام آباد جانے کی بجائے کراچی آ گئے وہ ان دنوں اپنے جیل کے رفیق معراج محمد خان کے ساتھ قیام پذیر ہیں ان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ ڈاکٹروں سے مشورہ کر رہے ہیں۔

مولانا کوثر نیازی کے بارے میں اطلاع ملی ہے کہ وہ بہت جلد چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر کا عہدہ سنبھالنے والے ہیں۔ تاہم اس خبر کے سلسلے میں انتہائی رازداری سے کام لیا جا رہا ہے ادھر مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون "سی" کے مشیروں کے عہدوں کے لئے اندرونِ خانہ بھاگ دوڑ جاری ہے اب تک جو حضرات "انٹرویو" دے چکے ہیں ان میں سندھ کے پرانے سیاستدان قاضی محمد اکبر اور ایوب کھوڑو کا نام بھی لیا جا رہا ہے دیکھئے کامیاب امیدواروں کا نتیجہ کب تک سامنے آتا ہے ●●

جنرل ضیاالحق، اُن کے رفقا کار جن کے ہاتھ میں اس وقت ملک کی باگ ڈور ہے کو جنرل یحییٰ خاں اور ان کے رفقا کار بننے سے بچنا چاہیئے۔ ۱۹۷۱ء کافی تھا۔ ہم سب پاکستانیوں کی طرح سے بھائیوں کی طرح رہ سکتے ہیں۔ پاکستان کو بچا سکتے ہیں۔ ترقی کی راہ پر لے جا سکتے ہیں۔ مجھے اس بالغ النظری کے مظاہرے کی امید ہے۔ آپ اسے میری تمنا اور آرزو کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ مجھے اچھی طرح یاد ہے میرے بچپن میں (کہ لڑکپن میں میں اپنی مرضی سے ہجرت کر کے پاکستان آگیا) میرے حال ہی میں مرحوم ہو جانے والے والد محترم بقرعید کے دن قربانی اس نہالے میں کراتے تھے جہاں پھولوں اور پھلوں کے پودے، پیڑ لگے ہوتے تھے اور انہوں نے ہمیں بتایا تھا کہ خون کی کھاد ان پودوں، پیڑوں کی افزائش کے لئے بہت مفید ہوتی ہے۔

لیکن وُہ تو بچھڑوں، بھیڑوں کا خون ہوتا تھا۔ میرے والد اب اس دنیا میں موجود نہیں کہ میں اُن سے یہ پوچھ سکتا، پودوں، پیڑوں کے لئے انسانی خون، گوشت پوست کی کھاد کس قدر مفید ہوتی ہے؟ لہٰذا یہ سوال اب میں جنرل ضیاالحق، ان کے رفقا کار اور ان سب سے ہی پوچھ سکتا ہوں جن کے ہاتھ میں میرے اپنے پسند کردہ وطن پاکستان کی باگ ڈور ہے۔!

پشاور | **شہزاد غزنوی**

سرحد میں پیپلز پارٹی والوں کی گرفتاریاں

سرحد میں ایک بار پھر گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ اب تک سرحد بھر میں پیپلز پارٹی کے تقریباً تمام قابل ذکر رہنما اور کارکن گرفتار کیے جا چکے ہیں۔ جو اب تک گرفتار نہیں ہو پاتے، اُن کی گرفتاری کے لئے جگہ جگہ چھاپے مارے جا رہے ہیں۔ یوں لگتا ہے جیسے پاکستان میں کوئی بہت بڑا واقعہ رونما ہونے والا ہے۔ کیونکہ نہ صرف مرد کارکنوں کی بڑے پیمانے پر گرفتاریاں جاری ہیں بلکہ خواتین کارکن بھی اس کی زد میں ہیں اور ان کی چادر اور چاردیواری اُن سے چھینی جا رہی ہے۔ ایک خاتون کارکن کے بقول سرحد میں ان گرفتاریوں سے خوف و ہراس پھیلنے کی بجائے ایک ان ... حوصلہ پیدا ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

... گرفتار شدگان جو ۱۱ اور ۱۲ مارچ کو گرفتار کئے گئے۔

مردان: ... بن باچہ، عبدالصمد (سابق صوبائی وزیر) محمد ... عبدالستار ...

... اسمٰعیل ... صفدر ... شاہ جمعہ دین، حق نواز ... خان ... صدق الدین گنڈاپور۔

ایبٹ آباد: اورنگ زیب قریشی، ... اعوان، ... ان اللہ قریشی، شیخ محمد خالد قاضی، منظور الٰہی، محمد داؤ، مظفر خان، محمد اشرف، عبدالرشید، مقبول الرحمن، عبدالودود،

پشاور: جنرل نصیراللہ بابر، میجر آفتاب شیرپاؤ، محمد حنیف (سکریٹری جنرل پی پی پی سرحد) محمد نثار خان آف گل آباد، خان بہادر ایڈوکیٹ، سیف الرحمان کیانی ایڈوکیٹ سابق سپیکر، نور احمد ایڈوکیٹ، سعادت حسین ایڈوکیٹ، مظفر شاہ ایڈوکیٹ، قوی اللہ بابر، عبدالاکبر، غلام غوث، ملک نڑادر خان، عبدالرؤف، خواجہ عبدالمالک مظفر خان، محبوب علی محبوب، سید احمد جان، ڈاکٹر ناز درانی، فرمان اللہ، امیر خسرو خان سابق (ایم پی اے)، ملک سعید احمد۔

خواتین: مسز گلزار، پروین نازلی، فرہاد نازلی۔

پیپلز سٹوڈنٹ فیڈریشن کے سکریٹری اطلاعات عثمان علی عثمان کو سرسری فوجی عدالت نے ایک سال قید بامشقت دے دی۔ جب کہ ان کے تین ساتھیوں کے بارے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ ان پر گورنمنٹ کالج سے جلوس نکالنے کا الزام ہے۔

سرحد میں خود جلا وطن افراد کی واپسی شروع ہو گئی ہے۔ لیکن واپس آنے والے زیادہ تر لوگ ولی خاندان اور اُن کے حلقۂ اثر کے لوگ ہیں۔ چھٹی مرتبہ عام معافی کے باوجود کسی قابل ذکر نیپ کے کارکن کی اب تک نا واپسی بہت سی سوچوں کے دروازے وا کر رہی ہے۔ لوگوں میں یہ

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

ہُما کے اپنے سر پر بیٹھنے کا خواب دیکھنے والے صِرف خواب ہی دیکھتے رہ گئے

ضمیر شیراز

چیف الیکشن کمشنر جسٹس مشتاق حسین کی چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر سے ملاقات

پی آئی اے کا جمبو جیٹ اغوا کرنے کی ناکام کوشش کرنے کے بعد ہائی جیکر سید حسین سی ایم ایچ راولپنڈی کے وی آئی پی روم میں زیر علاج ہے ایف آئی اے اس سارے معاملے کی تحقیقات کر رہی ہے۔ اب تک انہیں کچھ معلوم نہیں ہو سکا ہے معلوم ہو بھی کیا سید حسین دنیا کا واحد ہائی جیکر ہے کہ وہ صرف ایک ہینڈ گرنیڈ لے کر ہوائی جہاز اغوا کرنے نکلا ہے۔ اس کے پاس کوئی اور اسلحہ نہیں تھا اس کے باوجود کہ ایف آئی اے کی ٹیم ابھی تک اپنی تحقیقات میں ناکام رہی ہے لیکن اب اس سارے واقعہ میں سے کچھ نکالنے کی پوری پوری تیاری کر لی گئی ہے۔ دھماکہ چند روز میں ہونے ہی والا ہے حالانکہ جب طیارہ کا ڈرامہ مکمل ہو گیا اور مسافروں کو راولپنڈی میں روک کر ان کی بریفنگ کر دی گئی تو ایک بریف شدہ مسافر نے اخبار نویسوں کو جو پہلی بات بتائی وہ یہ تھی کہ ہائی جیکر نے اعلان کیا تھا کہ اس کی کوئی سیاسی وابستگی نہیں ہے۔ اس سے قبل فوکر اغوا کرنے والے ہائی جیکر کے بارے میں بھی سب سے پہلے یہی بات سُنی گئی کہ اس کی کوئی سیاسی وابستگی نہیں ہے ان ساری باتوں کے باوجود اگر اب اس واردات میں سے مطلوبہ مقاصد نکالے گئے لوگ یہ کہنے میں حق بجانب ہونگے کہ یہ سارا ڈرامہ رچایا ہی اس لیے گیا تھا ہمیں ایک حکایت یاد آ رہی ہے ہوا یوں کہ ایک صاحب کو کہیں سے بڑی خوبصورت چادر ہاتھ لگی وہ چادر لیے گھر آیا اور گاؤں والوں کو بڑے غرور سے دکھایا وہ ایک بار کہیں بڑے شہر میں گیا وہاں میلہ لگا ہوا تھا لوگ اُسے میلے میں لے گئے میلے میں اس کی چادر گم ہو گئی بے چارہ سخت پریشان ہوا۔ جب اپنے گاؤں واپس گیا تو اس نے ساری بات چیت سنا کر کہا اصل میں شہر والوں نے میلہ لگایا ہی میری چادر چھیننے کے لئے تھا تو یہ بات طے ہے کہ اگر طیارے کے ڈرامے کا ڈراپ سین یہ ہوا تو میلہ کا ڈرامہ سب کی سمجھ میں آ جائے گا کہا جا رہا ہے کہ اصل میں یہ واقعات سیاسی پابندیوں کو مزید برقرار رکھنے کا جواز بھی بنیں گے۔ آخر یہ کیا وجہ ہے کہ یکم مارچ کو سیاسی سرگرمیوں پر پابندی لگی اور ۲ مارچ کو یہ واقعہ پیش آ گیا۔ یہ واقعات سیاسی نوعیت کے نہیں بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔ کہ آخر دوسرے روز ہی ایسا کیوں ہوا۔ اور پھر کراچی سے بھی جب یہ طیارہ چلنے لگا تو وہاں بھی ایک مسلح نوجوان کو اس طیارہ میں سوار ہوتے وقت گرفتار کر لیا گیا۔ بہر حال دھماکہ کا انتظار کیجئے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر معاملہ طے ہو گیا تو پھر سید حسین ہائی جیکر اس وقت آخری آدمی ہے پہلا ہی آدمی ثابت ہوگا بالکل ایسے ہی جیسے فوکر طیارہ کا ہائی جیکر بھی پہلا اور آخری آدمی ثابت ہوا ہے۔

مارچ کا دوسرا ہفتہ اسلام آباد میں بڑا سرگرم گذرا ہے۔ اہم شخصیات کی آمد ہوئی۔ اہم شخصیات نے اہم شخصیات سے ملاقاتیں کیں۔ ہماری مراد اس وقت پاکستان ہی کی اہم شخصیات سے ہے۔ راولپنڈی میں ملٹری کونسل کا اہم ترین اجلاس جنرل ضیاء الحق کی صدارت میں منعقد ہوا۔ چیف الیکشن کمشنر مولوی مشتاق حسین نے جو لاہور ہائیکورٹ کے چیف جسٹس بھی ہیں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر سے طویل ملاقات کی۔ یہ طویل ملاقات بہت اہم قرار دی جا رہی ہے۔ لاہور ہائیکورٹ میں احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے مقدمہ کی سماعت مکمل کرنے اور فیصلہ محفوظ کرنے کے بعد مولوی مشتاق حسین کی راولپنڈی میں پہلی آمد تھی انہوں نے الیکشن کمیشن کے طویل اجلاس کی بھی صدارت کی۔ اجلاس میں نئی حلقہ بندیوں نئی انتخابی فہرستوں کا کام شروع کرنے کا جائزہ لیا گیا۔ اس اجلاس میں مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخاب میں ہونے والی دھاندلیوں کی تحقیقات کا بھی جائزہ لیا گیا۔ ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کے انتخاب کے پورے ایک سال بعد ۷ مارچ بڑی خاموشی سے گزری۔ اس ایک سال میں پاکستان کے دریاؤں کا بہت سا پانی بہہ کر سمندر میں چلا گیا اس ایک سال میں ہما ایک سر سے اڑ کر دوسرے سر پر جا بیٹھا۔ ہما کو اپنے سر پر بٹھانے کا خواب دیکھنے والے صرف خواب ہی دیکھتے رہ گئے۔ اب بھی حسرت سے ہاتھ ملتے ہیں کہ وعدہ کے باوجود ہما ان کے سر پر نہ بٹھایا جا رہا ہے اور نہ ہی اس کا امکان ہے کہ مستقبل بعید میں ایسا ہو سکے۔ ہمیں رہ رہ کر ۱۹۶۹ کا مارچ یاد آ رہا ہے۔ راولپنڈی اس زمانے میں بھی سیاسی سرگرمیوں کا اکھاڑہ تھا۔ ایوب خان جیسے صدر کے خلاف سیاستدان جمع تھے گول میز کانفرنس ہو رہی تھی مذاکرات کبھی کامیابی اور کبھی ناکامی کی طرف بڑھ رہے تھے ۱۰ مارچ کو مذاکرات کی کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔ سیاستدانوں کی بڑی جیت ہوئی تھی مگر تقدیر ان پر ہنس رہی تھی ۲۳ مارچ کو صدر ایوب خان اقتدار

(باقی صفحہ ۱۵ پر)

صدیقی

کہا جاتا ہے اور بجا طور پر کہا جاتا ہے کہ بیسویں صدی انقلابات کی صدی ہے، سائنسی، صنعتی اور سیاسی انقلابات کی صدی. لیکن ہر فطری منظر کی طرح سماجی مظہر بھی تضادات اور کشمکش کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ تضادات پیداواری طاقتوں اور پیداواری رشتوں میں تضاد کی بنیاد پر استوار ہوتے ہیں۔ ایک طاقت ان تضادات کو بہتر سماجی تبدیلی کے ذریعے حل کرنے اور انسان کو انسان کی اور فطرت کی غلامی سے نجات دلانے کے لئے جدوجہد میں مصروف رہتی ہے۔ اور اس کے مقابلے میں وہ طاقت ہوتی ہے جو استحصال اور ناانصافی کے غیر انسانی نظام کو انسانیت پر مسلّط رکھنا چاہتی ہے۔ اس صدی کے دوسرے آدھے حصّے میں اکثر و بیشتر ایسے فوجی جنرل دنیا بھر میں ابھرتے نظر آتے ہیں جنہوں نے تاریخ کی پیش قدمی کو روکنے کی کوشش میں ریاستی اقتدار پر قبضہ کر کے اپنے اپنے ملک کے مراعات یافتہ طبقات کی خدمت کی۔ صرف چند ایسے دکھائی دیتے ہیں جو عوام میں سے تھے۔ عوام کے ساتھ رہے اور عوام کی نجات کے لئے جان کی بازی لگاتے ہیں۔ اس صورتِ حال کا ایک انتہائی سرسری خاکہ پیشِ خدمت ہے۔ بلا تنقید و تبصرہ۔

افغانستان

۱۷ر جولائی ۱۹۷۳ء کو سردار داؤد نے ایک فوجی انقلاب کے ذریعے شاہِ افغانستان ظاہر شاہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور افغانستان کو "جمہوریہ" قرار دے دیا۔ سردار داؤد جو ظاہر شاہ کے کزن اور برادرِ نسبتی ہیں۔ دس سال تک ظاہر شاہ حکومت میں وزیر اعظم رہ چکے تھے انہوں نے ۲۶ر جولائی ۱۹۷۳ء کو افغانستان کا آئین مجریہ ۱۹۶۴ء منسوخ کر دیا اور ۲۴ر اگست ۱۹۷۳ء کو ظاہر شاہ جلاوطن کر دیئے گئے۔ سردار داؤد نے گو تین سال کے بعد نیا دستور نافذ کر دیا لیکن وہ ابھی تک عوام کو خوشحال اور ملک کو ترقی یافتہ بنانے میں ناکام رہے ہیں۔ ملک کو سیاسی استحکام بھی نصیب نہیں ہوا۔ لہٰذا بغاوتیں ہوتی رہتی ہیں۔ چند ماہ قبل سردار داؤد کے دستِ راست وزیر خرم کو قتل کر دیا گیا۔

الجزائر

الجزائر ۳ر جولائی ۱۹۶۲ء کو آزاد ہوا۔ جنگِ آزادی کے ممتاز رہنما بن بیلا ۱۵ر جولائی ۱۹۶۳ء کو قومی ریفرنڈم کے ذریعے صدرِ مملکت منتخب ہوئے بن بیلا ترقی پسند خیالات اور افرو ایشیائی اتحاد کے

علمبردار تھے۔ ان کا یہ قول بہت مشہور ہے "آزادی کا مطلب قومی پرچم لہرانا نہیں ہوتا۔ بلکہ ملک کو لیٹرے سرمایہ داروں اور جاگیر داروں سے پاک کرنا ہوتا ہے"۔ بن بیلا نے انڈونیشیا کے صدر سوئیکارنو، مصر کے جمال ناصر چین کے وزیر اعظم چو این لائی اور پاکستان کے وزیر خارجہ ذوالفقار علی بھٹو کے اشتراک سے جون ۱۹۶۵ء میں افریشیائی ممالک کی کانفرنس الجزائر میں بلوائی۔ اس کانفرنس کا مقصد افریشیائی ممالک کی اقوام متحدہ کے قیام پر غور و خوض کرنا تھا۔ کانفرنس کے انعقاد سے دو دن قبل ۱۹ جون ۱۹۶۵ء کو کرنل حواری بومدین نے فوج کے ذریعے بن بیلا کا تختہ الٹ دیا۔ انہیں نظر بند کر دیا۔ لیکن بومدین، بن بیلا حکومت کی بنائی ہوئی پالیسیوں میں زیادہ رد و بدل نہیں کر سکے۔ کیونکہ الجزائر کی این ایل ایف جس نے فرانس سے جنگ کر کے آزادی حاصل کی تھی بنیادی طور پر سامراج دشمن تھی۔ اور بومدین، این ایل ایف کو ناراض کر کے برسر اقتدار نہیں رہ سکتے تھے۔

ارجنٹائن

۲۷ جون ۱۹۶۶ء کو مسلح افواج نے ڈاکٹر ایلیا کی حکومت کو محروم اقتدار کر دیا۔ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کو توڑ دیا۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی، صوبائی گورنروں کو برطرف کر دیا۔ اور سابق کمانڈر انچیف جنرل اونگینیا ڈلیو سیڈون کو صدر مملکت بنا دیا گیا۔ اونگینیا کو امریکی سامراج کی پشت پناہی حاصل تھی اس نے کمیونسٹ تحریک کو کچلنے کے لئے اگست ۱۹۶۷ء میں ایک قانون بنایا جس کے تحت کمیونسٹوں کا رجسٹریشن کیا گیا اور ان پر سرکاری دفاتر، تعلیمی اداروں میں ملازمت کے دروازے بند کر دیئے گئے علاوہ ازیں اس قانون کے تحت کوئی کمیونسٹ نہ تو اپنا کوئی ادارہ قائم کر سکتا تھا نہ آجر بن سکتا تھا اور نہ ہی ٹریڈ یونین سرگرمیوں میں حصہ لے سکتا تھا۔ لیکن اونگینیا طالع آزما جنرلوں کے معیار پر پورے نہ اترے۔ ۸ جون ۱۹۷۰ء کو بریگیڈیئر جنرل روبیت مارسیلو لیونگ سٹون نے اونگینیا کو محروم اقتدار کر دیا اور ۱۸ جون ۱۹۷۰ء کو خود صدر بن بیٹھا جنرل لیونگ سٹون کو فوج نے ۲۲ مارچ ۱۹۷۱ء کو ہٹا دیا اور ۲۶ مارچ ۱۹۷۱ء کو جنرل اینبلار و آگسٹن لانوسے کو صدر بنا دیا۔ فوجی حکومت کو مجبوراً الیکشن کرانا پڑا۔ ۲۷ مئی ۱۹۷۳ء کو ڈاکٹر ہیکیٹر کمپانا صدر مملکت بنے۔ لیکن پورے دو ماہ بھی اس عہدے پر نہ رہ سکے۔ اقتدار جنرل جوآن ڈومنگو پیرون کو دینا پڑا۔ پیرون کے انتقال کے بعد ان

کی اہلیہ صدر منتخب ہوئیں لیکن ۲۴ مارچ ۱۹۷۶ء کو جنرل جورجے رافیل ودیلا کی قیادت میں فوج نے دوبارہ اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اس عوام دشمن فوجی ٹولے نے مزدور تحریک کو دبانے کے لئے ارجنٹائن کی مزدور تنظیم "جنرل کنفیڈریشن آف لیبر" اور اس سے ملحقہ یونینوں کو فوج کی نگرانی میں دے دیا۔

بولیویا

مسلح افواج نے جنرل جوآن جوسے ٹورنس کی قیادت میں ۷ اکتوبر ۱۹۷۰ء کو صدر الفریڈو اوانڈو کانڈیا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ جنرل ٹورنس صدر بن گیا لیکن دس ماہ کے بعد کرنل بانزر سوارز نے ۲۱ اگست ۱۹۷۱ء کو جنرل ٹورنس کو ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

برما

۲۹ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو آرمی چیف آف اسٹاف جنرل نی ون کو عبوری حکومت کا وزیر اعظم بنایا گیا۔ اور اس عبوری حکومت نے فروری ۱۹۶۰ء میں الیکشن کروائے جس میں یونین پارٹی نے کامیابی حاصل کی۔ اس نے ایوان زیریں کی ڈھائی سو نشستوں میں سے ۱۶۱ نشستیں حاصل کیں اور حکومت بنائی لیکن ۲ مارچ ۱۹۶۲ء کو جنرل نی ون نے منتخب حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ کرسی اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ فوجی حکومت نے آئین منسوخ کر دیا۔ پارلیمان اور اسٹیٹ کونسل توڑ دی۔ فوجی حکومت نے آئین بنایا اور دسمبر ۱۹۷۳ء میں ریفرنڈم کے ذریعے اس آئین کی منظوری لی گئی۔ "ون پارٹی گورنمنٹ" کا آغاز ہوا۔ ۲ مارچ ۱۹۷۴ء کو جنرل نی ون نے آئین کے تحت صدر مملکت کے عہدے کا حلف اٹھایا۔

بنگلہ دیش

مسلح فوج نے عوامی لیگ کے رجعت پسند سیاستدانوں سے گٹھ جوڑ کر کے بنگلہ دیش کے بانی اور صدر شیخ مجیب الرحمٰن کی حکومت کا تختہ ۱۵ اگست ۱۹۷۵ء کو الٹ دیا۔ شیخ مجیب کو قتل کر دیا گیا۔ لیکن مسلح افواج پس پردہ رہیں اور مجیب کابینہ کے وزیر تجارت مشتاق احمد کو صدر مملکت بنا دیا لیکن اصل اقتدار فوجی ٹولے کے پاس تھا۔ ۲ اکتوبر کو متحارب گروپ کے فوجی افسروں نے خوندکر حکومت کو محروم اقتدار کر دیا۔ لیکن چند دنوں کے بعد ہی میجر جنرل ضیاالرحمٰن نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور اے۔ ایم صائم کو صدر بنا دیا۔ لیکن کاروبار مملکت اپنے ہاتھ میں رکھا۔ امور مملکت چلانے کے لئے آرمی، نیوی اور ایئر فورس کے سربراہوں پر مشتمل مارشل لا انتظامیہ کمیٹی تشکیل دی گئی۔ پھر صائم کو بھی چلتا کر دیا گیا اور ۲۰ اپریل ۱۹۷۷ء کو ضیاالرحمٰن صدر بنگلہ دیش بن گئے۔ ۳۰ مئی ۱۹۷۷ء کو نام نہاد ریفرنڈم کے ذریعے اپنے عہدے کی توثیق کرائی۔ اور دسمبر ۱۹۷۸ء میں عام انتخابات کرانے کا وعدہ کیا۔ لیکن ضیا حکومت نہ تو عوام میں مقبولیت حاصل کر سکی ہے اور نہ فوج میں۔ اکتوبر ۱۹۷۷ء میں دوبارہ متحارب فوجی گروپ نے ان کی حکومت کا تختہ الٹنے کی ناکام کوشش کی۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ضیا وہ شخص ہیں۔ جنہوں نے مارچ ۱۹۷۱ء میں ریڈیو چاٹگام سے بنگلہ دیش کی آزادی کا اعلان نشر کیا تھا۔

برونڈی

۲۸ نومبر ۱۹۶۶ء کو جنرل مکیاتی کومبیرو نے شاہ مواہی نا ٹرے ینجم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور برونڈی کو "جمہوریہ" قرار دے دیا۔ جب یہ فوجی انقلاب آیا اس وقت شاہ مواہی نا ٹرے کانگو میں سربراہ کانفرنس میں موجود تھے۔

چلی

۱۱ ستمبر ۱۹۷۳ء کو جنرل آگسٹو نے امریکی سی آئی اے اور اجارہ دار امریکی تجارتی اداروں کے تعاون سے صدر ایلنڈے کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ڈاکٹر ایلنڈے نے جو مارکسسٹ تھے، انہیں ہلاک کر دیا گیا۔ فوجی ٹولے نے مسند آرا ہوتے ہی کہا: "چلی کو مارکسسٹ غلامی سے آزاد کر دیا گیا ہے"۔ فوجی حکومت نے مزدوروں اور عوام کو کچلنے کے لئے انتہائی سخت اقدامات کئے اور چلی میں فسطائیت قائم کر دی۔

ایکویڈور

بریگیڈیئر جنرل گولیلرمو روڈرگز لارا نے ۱۵ فروری ۱۹۷۲ء کو صدر ویلا ابارا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

مصر

۲۳ جولائی ۱۹۵۲ء کو مسلح افواج کے قوم پرست عناصر نے جنرل محمد نجیب کی قیادت میں شاہ فاروق کو معزول کر دیا۔ اس طرح سے مصری عوام کو بادشاہت سے نجات مل گئی۔ جنرل نجیب نے ۱۷ ستمبر ۱۹۵۲ء کو اپنی حکومت تشکیل دی۔ ۲۵ فروری ۱۹۵۴ء کو کرنل جمال ناصر وزیر اعظم بنائے گئے۔ مگر ۲۷ فروری ۱۹۵۴ء کو جنرل نجیب نے تمام اختیارات سنبھال لئے۔ لیکن ۱۸ اپریل ۱۹۵۴ء کو کرنل ناصر کو دوبارہ وزیر اعظم اور مصر کا فوجی گورنر بنایا گیا اور ۱۴ نومبر ۱۹۵۴ء کو وہ صدر مملکت بن گئے۔ کرنل جمال ناصر نے ۲۹ ستمبر ۱۹۷۰ء تک حکومت کی۔ وادی نیل کا یہ عظیم فرزند حقیقی معنوں میں عرب عوام کے دلوں پر حکمرانی کرتا تھا۔ اس نے سولہ سال حکومت کی لیکن اس طویل عرصے میں وہ اسی مکان میں رہا جس میں وہ کرنل کی حیثیت سے رہتا تھا۔ اس نے نہر سویز کو قومی ملکیت میں لیا۔ جولائی ۱۹۵۶ء میں برطانیہ، فرانس اور اسرائیل کی مسلح جارحیت کا مقابلہ کیا۔ مصر کو جاگیردارانہ نظام سے نجات دلائی اور عرب سوشلزم کا تجربہ کیا۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد استعفیٰ دیا۔ لیکن عوام نے استعفیٰ مسترد کر دیا۔ ناصر مرحوم کا آخری کارنامہ اردن اور تنظیم آزادی فلسطین میں صلح کرانا تھا۔ صدر ناصر کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ دو ہزار سال میں کسی مصری کی موت پر اتنا سوگ نہیں منایا گیا۔ جتنا ان کی موت پر منایا گیا۔ ان کے جنازے میں ۵۰ لاکھ سے زائد افراد موجود تھے۔ اور اتنا ہجوم تھا کہ چھ میل کا فاصلہ چار گھنٹے میں طے ہوا۔ لندن ٹائمز نے اپنے اداریہ میں لکھا "یہ دور دراصل دور ناصر تھا" ناصر کے بعد سادات کو صدر بنایا گیا۔ صدر سادات کا تعلق بھی فوج سے ہے۔

ہنڈوراس

جنرل اوسوالڈو لوپیز آریلانو نے ۴ دسمبر ۱۹۷۲ء کو ڈاکٹر رومن ارنسٹو کروز کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ کانگریس کو توڑ دیا اور آئین معطل کر دیا۔

یونان

سقراط، افلاطون اور ارسطو کے وطن دنیا کو جمہوریت کا تصور دینے والی سرزمین، یونان میں جنرل جارج گریویس نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ ابتدا میں کہا گیا کہ یہ اقدام شاہ کانسٹنٹائن کے حکم پر کیا گیا ہے۔ لیکن اس وقت شاہ یونان روم میں تھے۔ وہ فوجی انقلاب کے بعد یونان نہیں آئے اور نہ ہی فوجی ٹولے نے انہیں بلوایا۔ فوج نے پورے ملک پر فسطائیت مسلط کر دی۔ ہزاروں افراد کو جیل میں ڈال دیا سیاسی پارٹیوں پر پابندی لگا دی لیکن یونان کے عوام نے

فوجی آمریت کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ خواتین نے بھی بحالیٔ جمہوریت کی تحریک میں بھرپور حصہ لیا۔ خواتین کی ایک زیرِ زمین تنظیم نے یونان کی خواتین سے اپیل کی کہ وہ بچے جننا چھوڑ دیں تاکہ نئے غلام وجود میں نہ آئیں۔ اس اپیل میں "غلام خواتین" کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ "ملک میں فوج کے چار سالہ دورِ حکومت نے ملک کو غلامی کے شکنجے میں جکڑ دیا ہے ہمیں بچے جننا چھوڑ دینا چاہئے تاکہ نئے غلام وجود میں نہ آئیں اور ہمیں یہ بھی چاہئے کہ ہم اپنے بچوں کو دوسرے ملکوں میں بھیج دیں اور یونان میں فوجی حکومت برقرار رکھنے تک انہیں وہیں رکھیں" طویل جدوجہد کے بعد جمہوریت بحال ہوئی لیکن ۲۵ نومبر ۱۹۷۳ء کو جنرل پاپدین نے صدر جارج پاپا پولس کو محروم اقتدار کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ عوام نے پھر جدوجہد کی اور کامیاب ہوئے غاصب فوجی جرنلوں پر مقدمہ چلا اور انہیں پھانسی کی سزا دی گئی۔

گھانا

۱۹۶۶ء میں نکرومہ کی حکومت کا تختہ الٹ دیا گیا فوجی انقلاب کے وقت نکرومہ غیر ملکی دورے پر تھے پھر ۱۳ جنوری ۱۹۷۲ء کرنل آئی۔ کے۔ اکیامپونگ نے وزیراعظم ڈاکٹر کے۔ اے۔ بوسیا کو معزول کر دیا۔ اس وقت ڈاکٹر بوسیا لندن میں زیرِ علاج تھے۔ فوجی حکومت نے آئین معطل کر دیا۔ اور اسمبلی توڑ دی۔

یوگنڈا

یوگنڈا ۹ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو آزاد ہوا۔ اور ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء کو مسلح افواج نے عیدی امین کی قیادت میں ڈاکٹر اے ملٹن ابوٹو کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔

سیرالیون

الیکشن کے بعد گورنر جنرل سر ہنری بوسٹن نے ۲۱ مارچ ۱۹۶۷ء کو مسٹر ایس۔ اسٹیفن کو وزیراعظم بنایا لیکن اسی دن بریگیڈیئر ڈیوڈ نے نومنتخب حکومت کا تختہ الٹ دیا لیکن دو دن کے بعد ہی یعنی ۲۳ مارچ ۱۹۶۷ء کو سینیئر ملٹری افسروں اور پولیس حکام نے ڈیوڈ حکومت کو معزول کر دیا اور ۲۵ مارچ ۱۹۶۷ء کو بریگیڈیئر اسمتھ نے اقتدار سنبھال لیا۔ ۱۷ اور ۱۸ اپریل ۱۹۶۸ء کی درمیانی شب کو نان کمیشنڈ فوجی افسروں اور پولیس کے جونیئر افسروں نے اسمتھ حکومت کو معزول کر دیا۔ اور ۲۶ اپریل ۱۹۶۸ء کو اقتدار سول حکومت کے حوالے کر دیا۔

انڈونیشیا

۳۰ ستمبر ۱۹۶۵ء کو انڈونیشیا کے سامراج نواز فوجی حکام نے اپنے مخالف فوجی گروپ کے بعض ارکان کو قتل کر دیا لیکن کہا گیا کہ کمیونسٹ سوئیکارنو حکومت کو ختم کرنا چاہتے تھے۔ اس لئے یہ اقدام کیا گیا۔ اس کارروائی کے بعد فوجی ٹولے نے ڈاکٹر سوئیکارنو کے اختیارات محدود کر دیئے۔ اور بالآخر انہیں ۱۲ مارچ ۱۹۶۶ء کو معزول کر دیا۔ جنرل سوہارتو مسند آرا ہوا۔ کمیونسٹ پارٹی پر پابندی لگا دی گئی اور کمیونسٹوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی مغربی پریس کے مطابق ۸۰ ہزار افراد کو ہلاک کیا گیا۔

عراق

۱۴ جولائی ۱۹۵۸ء کو فوج کے قوم پرست عناصر نے کرنل عبدالکریم قاسم کی قیادت میں شاہ فیصل دوم کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ اور عراقی عوام کو بادشاہت سے نجات دلائی۔ پھر ۹ فروری ۱۹۶۳ء کو عبدالسلام محمد عارف نے قاسم حکومت کو معزول کر دیا اور کرنل قاسم کو گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ سلام عارف فیلڈ مارشل اور صدر مملکت بن گئے۔ وہ نومبر ۱۹۶۳ء میں ہیلی کاپٹر کے حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ ان کے بھائی عبدالرحمان محمد عارف صدر مملکت بنے لیکن انہیں میجر جنرل احمد حسن البکر نے معزول کر کے اقتدار سنبھال لیا۔

لیبیا

کرنل معمر قذافی کی قیادت میں سامراج دشمن فوجی گروپ نے شاہ ادریس کو یکم ستمبر ۱۹۶۹ء کو معزول کر دیا۔ کرنل قذافی نے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سوشلسٹ ممالک سے خصوصی تعلقات قائم کئے۔ اور گذشتہ سال انہوں نے لیبیا کو سوشلسٹ جمہوریہ بنانے کا اعلان کیا

نائیجر

۱۵ اپریل ۱۹۷۴ء کو کرنل کونتشے نے صدر حمانی کو معزول کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ آئین معطل کر دیا، قومی اسمبلی توڑ دی گئی اور سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی۔

نائیجیریا

مسلح فوج کے ایک گروپ نے ۱۵ جنوری کو بغاوت کر دی اور وزیراعظم سر ابوبکر کو قتل کر کے مسندِ اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ۱۷ جنوری ۱۹۶۶ء کو میجر جنرل جونسن آیرونسی نے باغیوں کو کچل کر حکومتی اختیارات سنبھال لئے۔ لیکن چھ ماہ کے بعد ہی ۲۹ جولائی ۱۹۶۶ء کو لیفٹیننٹ کرنل یعقوب گوان نے جنرل ایرونسی کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ جولائی ۱۹۷۵ء کے اواخر میں یعقوب گوان افریقی اتحاد تنظیم کی کانفرنس میں شریک ہونے یوگنڈا گئے۔ ان کی غیر حاضری میں جنرل مرطلا رحمت محمد نے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ ۱۳ فروری ۱۹۷۶ء کو لیفٹیننٹ کرنل بی ایس ڈمکا کی قیادت میں فوج کے ایک گروپ نے جنرل مرطلا کو ہلاک کر دیا اور ریڈیو اسٹیشن پر قبضہ کر لیا۔ لیکن ڈویژنل کمانڈروں نے ڈمکا کی قیادت قبول نہ کی۔ جنگ ہوئی اور ۱۴ فروری ۱۹۷۶ء کو ڈمکا گروپ کو شکست دے کر جنرل اوبا سیگن اوباسنجو صدرِ مملکت بن گئے۔

پاکستان

پاکستان کے مفلوج گورنر جنرل غلام محمد ۷ اگست ۱۹۵۵ء کو علاج کے لئے رخصت پر چلے گئے اور وزیر دفاع میجر جنرل اسکندر مرزا کو قائم مقام گورنر جنرل بنا دیا گیا اس طرح سے ریاست کے اعلیٰ ترین عہدے پر ایک فوجی فائز ہو گیا۔ ۱۹۵۶ء کے آئین کے تحت اسکندر مرزا نے ۵ مارچ ۱۹۵۶ء کو صدرِ مملکت کا حلف اٹھایا۔ اس آئین کے تحت فروری ۱۹۵۹ء میں انتخابات ہونے تھے۔ برسرِ اقتدار ری پبلکن پارٹی (جو اسکندر مرزا اور نواب مشتاق گورمانی نے بنائی تھی) عوام میں غیر مقبول تھی۔ عوامی لیگ سہروردی اور نیشنل عوامی پارٹی مولانا بھاشانی کی قیادت میں عوام میں مقبول تھیں۔ اور ان دونوں جماعتوں کی کامیابی کا واضح امکان تھا۔ اگر یہ جماعتیں کامیاب ہو جاتیں تو اقتدار مشرقی پاکستان کے سیاستدانوں کو ملتا۔ مغربی پاکستان کے حکمران طبقات یہ صورت حال برداشت کرنے کو تیار تھے اور نہ اسکندر مرزا، چنانچہ انہوں نے کمانڈر انچیف جنرل ایوب سے گٹھ جوڑ کر کے ۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ملک میں مارشل لاء لگا دیا۔ آئین منسوخ کر دیا گیا۔ اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔ لیکن ۲۷ اکتوبر ۱۹۵۸ء کو ایوب خان نے اسکندر مرزا

کو معزول کر کے جلاوطن کر دیا اور خود صدرِ مملکت بن گئے
ایوب خان کے امریکی سی آئی اے کے ڈائریکٹر ڈلس سے خصوصی تعلقات تھے۔ انہوں نے پشاور کے قریب بڈبیر میں امریکہ کو فوجی اڈہ بنانے کی اجازت دی۔ اس اڈے سے امریکی طیارے سوویت یونین کی جاسوسی کے لئے پرواز کرتے تھے۔ ایک یو ٹو طیارہ جسے ہنری پاورز چلا رہا تھا سوویت یونین نے مار گرایا۔ اس پر عالمی سطح پر بڑا ہنگامہ ہوا
اکتوبر ۱۹۶۸ء میں ایوب خان کے خلاف عوامی تحریک چلی جس کا اختتام ایک اور مارشل لاء کی صورت میں برآمد ہوا۔ ۲۵ مارچ ۱۹۶۹ء کو ایوب خان کو مسندِ صدارت چھوڑنی پڑی اور کمانڈر انچیف جنرل یحییٰ خان نے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر اور صدرِ مملکت کے عہدے سنبھال لئے۔ آئین منسوخ کر دیا گیا۔ اسمبلیاں توڑ دی گئیں۔ یحییٰ خان نے دسمبر ۱۹۷۰ء میں عام انتخابات کرائے۔ یہ پاکستان کے پہلے عام انتخابات تھے، عوامی لیگ نے قومی اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل کی۔ لیکن مغربی پاکستان سے اُسے ایک بھی نشست نہیں ملی۔ پیپلز پارٹی نے سندھ اور پنجاب سے بھاری اکثریت حاصل کی۔ بلوچستان سے نیپ دولی اے اور سرحد میں کسی پارٹی کو واضح اکثریت نہیں ملی۔ انتقالِ اقتدار کے مسئلے پر اختلاف ہوا۔ اور اس کا نتیجہ مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی کی صورت میں برآمد ہوا۔ ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کو ڈھاکے کا سقوط ہوا۔ اور مغربی پاکستان میں ۲۰ دسمبر ۱۹۷۱ء کو پیپلز پارٹی کے چیئرمین ذوالفقار علی بھٹو نے صدرِ مملکت کے عہدے کا حلف اٹھایا۔ وہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی تھے۔ مارچ ۱۹۷۳ء میں عبوری آئین منظور ہوا۔ مارشل لاء ہٹا دیا گیا۔ ۱۴ اگست ۱۹۷۳ء کو آئین ۱۹۷۳ء نافذ کیا گیا۔ اس آئین کے تحت جناب بھٹو وزیراعظم منتخب ہوئے، ۷ مارچ ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے عام انتخابات ہوئے۔ پیپلز پارٹی کامیاب ہوئی لیکن حزبِ اختلاف کی ۹ جماعتوں کے متحدہ محاذ "پی این اے" نے دھاندلی کا الزام لگاتے ہوئے صوبائی اسمبلیوں کے الیکشن کا بائیکاٹ کیا۔ پھر تحریک چلی۔ پی۔ این۔ اے اور حکومت کے مابین مذاکرات ہوئے۔ لیکن ۵ جولائی ۱۹۷۷ء کو چیف آف آرمی اسٹاف جنرل ضیاء الحق نے ملک میں مارشل لاء لگا دیا چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کی حیثیت سے انہوں نے ۱۸ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو قومی اسمبلی کے انتخابات کرانے کا اعلان کیا۔ لیکن یکم اکتوبر ۱۹۷۷ء کو الیکشن غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دیئے گئے۔

پانامہ

ڈاکٹر آرنلفو آریاس کو صدرِ مملکت منتخب ہوئے گیارہ دن ہی ہوئے تھے کہ ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو فوج نے ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ قومی اسمبلی توڑ دی گئی۔ فوجی جنتا نے عبوری حکومت قائم کی۔ کابینہ فوج کے دو ارکان اور چند نوکر شاہی کے افسروں پر مشتمل تھی۔ دسمبر ۱۹۶۹ء میں نیشنل گارڈ کے بریگیڈیئر جنرل عمر توری ہوس نے مسندِ اقتدار پر قبضہ کر لیا اور کابینہ کے فوجی ارکان کو استعفیٰ دینے پر مجبور کر دیا۔ ۱۹۷۲ء میں ۵۰۵ ارکان پر مشتمل اسمبلی کے الیکشن کرائے گئے۔ آئین منظور کیا گیا۔ صدر، نائب صدر اور قانون ساز کونسلوں کے بالواسطہ انتخابات ہوئے۔ لیکن تمام انتظامی اختیارات ۶ سال کے لئے جنرل عمر توری ہوس کو دیئے گئے۔ اور اُسے پانامہ کی مسلح افواج کا کمانڈر انچیف بھی بنا دیا گیا۔

پیرو

۳ اکتوبر ۱۹۶۸ء کو جنرل جون ویلاسکو الویڈو نے صدر فرنانڈو بلاؤنڈے ٹیری کو معزول کر کے حکومت پر قبضہ کر لیا۔ کانگریس معطل کر دی گئی۔ امورِ مملکت چلانے کے لئے "انقلابی کونسل" تشکیل دی گئی۔ جس کے تمام ارکان فوجی تھے۔

روانڈا

مسلح افواج نے ۵ جولائی ۱۹۷۳ء کو صدر گریگوری کائبانڈا کی حکومت کا تختہ الٹ دیا۔ صدر گریگوری ۱۹۶۱ء سے برسرِ اقتدار تھے۔ فوجی جنتا نے میجر جنرل جونیال جیالیمانا کو ملک کا سربراہ بنا دیا۔

صومالیہ

۲۱ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو مسلح افواج نے سول حکومت کو معزول کر کے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ پارلیمان، آئین اور سپریم کورٹ معطل کر دیئے گئے۔ "سپریم انقلابی کونسل" بنائی گئی۔ جو قانون سازی، انتظامی اور عدلیہ کے فرائض انجام دینے لگی۔ اس کونسل کی مدد کے لئے ۱۴ سول سیکرٹریوں کا تقرر کیا گیا۔

سوڈان

کرنل جعفر النمیری نے ۲۵ مئی ۱۹۶۹ء کو مسندِ اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور دس ارکان پر مشتمل فوجی کونسل کی مدد سے حکومت چلانے لگے۔ ۱۹ جولائی ۱۹۷۰ء کو بائیں بازو کے فوجی افسروں نے بغاوت کر دی اور جعفر النمیری کی حکومت کا تختہ اُلٹ دیا۔ لیکن ردِ انقلاب ہوا اور ۲۲ جولائی ۱۹۷۰ء کو کرنل جعفر النمیری دوبارہ برسرِ اقتدار آ گئے۔ انہوں نے الزام لگایا کہ "باغیوں" کو لیبیا اور مصر کی پشت پناہی حاصل تھی اور انہوں نے ہر کمیونسٹ کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ میجر ہاشم عطا کو، جنہوں نے "باغیوں" کی قیادت کی تھی اور دیگر ۱۳ افراد کو ۲۸ جولائی کو پھانسی دے دی گئی۔ جن لوگوں کو پھانسی دی گئی ان میں سوڈان کمیونسٹ پارٹی کے رہنما بھی شامل تھے۔

شام

شام اب تک فوجی انقلابات سے دوچار ہو چکا ہے۔ ۲۹ نومبر ۱۹۵۱ء کو فوج نے حکومت کا تختہ اُلٹا، پھر ۲۵ فروری ۱۹۵۴ء کو صدر شیشاکلی ملک سے فرار ہو گئے۔ اور یکم مارچ ۱۹۵۴ء کو صابر العسالی نے حکومت بنائی ۲۸ ستمبر ۱۹۶۱ء کو فوج نے پھر حکومت کو معزول کیا۔ اور متحدہ عرب جمہوریہ سے شام نے علیحدگی اختیار کر کے "عرب جمہوریہ شام" کے قیام کا اعلان کیا۔ ۲۸ مارچ ۱۹۶۲ء کو فوج نے حکومت کا تختہ الٹنے کی ناکام کوشش کی۔ ۱۳ نومبر ۱۹۷۰ء کو جنرل حافظ الاسد نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اور ۲۱ نومبر ۱۹۷۰ء کو کابینہ تشکیل دی۔ عبوری آئین ۱۶ فروری ۱۹۷۱ء کو شائع کیا گیا اور جنرل حافظ الاسد نے ایک صدارتی فرمان کے ذریعے پیپلز کونسل کے لئے ۱۷۳ ارکان کو نامزد کیا۔ عبوری آئین کے تحت حافظ الاسد نے ۱۴ مارچ ۱۹۷۱ء کو صدرِ مملکت کا حلف اٹھایا اور ۱۲ مارچ ۱۹۷۳ء کو رائے شماری کے ذریعے نیا آئین منظور کیا گیا۔

تھائی لینڈ

۱۶ اور ۱۷ ستمبر ۱۹۵۷ء کی درمیانی شب کو مسلح افواج نے ملک کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ اور سیٹو کے سیکرٹری جنرل پوٹ ساراسن کو وزیراعظم بنا دیا۔ پھر فیلڈ مارشل تھانوم کٹی کاچورن وزیراعظم بن گیا۔ اس امر کو عوام نے ملک گیر تحریک چلا کر ملک سے فرار ہونے پر مجبور کر دیا۔ لیکن یہ آمر ستمبر ۱۹۷۶ء میں دوبارہ بنکاک آ گیا۔ جس پر طلبہ نے زبردست احتجاج کیا۔ پولیس اور

فوج نے گرنیڈ، ایم ۷۹ گرنیڈ لانچر ٹینک شکن ہتھیاروں اور راکٹوں کی مدد سے یونیورسٹی پر حملہ کیا۔ طلبا کا قتل عام کیا۔ اور پھر ۶؍ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو ایڈمرل سنگاڈ نے وزیر اعظم سینی موراج کی حکومت کو معزول کر نے سے ایک دن قبل ان کی کابینہ میں وزیر دفاع کا عہدہ سنبھالا تھا۔

ٹوگو

فوج نے ۱۳؍ جنوری ۱۹۶۳ء کو صدر سیلوانس اولمپیو کو قتل کر دیا۔ اور سابق وزیر اعظم نکولاس گرنٹزکی، کو جو اولمپیو کے برادر نسبتی بھی تھے، صدر مملکت بنا دیا۔ وہ چار سال تک مسند اقتدار پر رہے لیکن فوجی وڈیروں کی "خواہشات" کو پورا نہ کر سکے۔ چنانچہ ۱۳؍ جنوری ۱۹۶۷ء کو کرنل آئینا ایادیما نے صدر نکولاس کو "رضاکارانہ" طور پر اقتدار چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ اور ۱۴؍ اپریل ۱۹۶۷ء کو کرنل ایادیما نے صدر ٹوگو اور وزیر دفاع کی حیثیت سے حلف اٹھایا۔ اُن کی کابینہ ۱۲؍ ارکان پر مشتمل تھی جس میں چار فوجی تھے۔

ترکی

جنرل جمال گرسل کی قیادت میں مسلح افواج نے وزیر اعظم عدنان مینڈریس کی حکومت کا تختہ ۲۷؍ مئی ۱۹۶۰ء کو الٹ دیا۔ آئین منسوخ کر دیا گیا۔ گرینڈ نیشنل اسمبلی توڑ دی گئی۔ سیاسی جماعتوں پر پابندی لگا دی گئی۔ سیاسی سرگرمیاں ۱۲؍ جنوری ۱۹۶۱ء کو شروع ہوئیں۔ اور نیا آئین ریفرنڈم کے ذریعے ۹؍ جولائی ۱۹۶۱ء کو منظور کیا گیا۔ اس آئین میں فوج نے "بحران" کے وقت حکومت میں مداخلت کرنے، ملکی معاملات کی نظر ثانی کے لئے سپریم ملٹری کونسل کی تشکیل' وغیرہم جیسی دفعات شامل کیں اور اس طرح آئینی اعتبار سے فوج کو سول حکومت پر بالادستی قائم ہو گئی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۲؍ مارچ ۱۹۷۱ء کو فوجی حکام نے منتخب وزیر اعظم سلیمان ڈیمرل کو دھمکی دی کہ وہ مستعفی ہو جائیں۔ ورنہ ان کی حکومت کا تختہ الٹ دیا جائے گا۔ سلیمان ڈیمرل سے "سنگین کی نوک" پر استعفیٰ لیا گیا اور ۱۹؍ مارچ ۱۹۷۱ء کو مسٹر ارم کو وزیر اعظم نامزد کر دیا گیا۔ لیکن ارم حکومت عوام میں غیر مقبول تھی۔ انتخابات ہوئے تو سلیمان ڈیمرل دوبارہ برسر اقتدار آ گئے۔

زائرے

زائرے میں صدارتی انتخابات ۱۹۶۶ء میں ہونے والے تھے۔ سیاسی سرگرمیاں عروج پر تھیں کہ مسلح افواج کے کمانڈر انچیف جنرل جوزف موبوتو نے ۲۵؍ نومبر ۱۹۶۵ء کو شب خون مارا۔ اور صدر کساوبو کو معزول کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ جنرل جوزف موبوتو صدر، وزیر اعظم اور وزیر دفاع بن گئے۔ آئین منسوخ کر دیا۔ نیا آئین مرتب کیا گیا۔ جو ریفرنڈم کے ذریعے جون ۱۹۶۷ء میں منظور کرایا گیا۔

ایتھوپیا

۳؍ جولائی ۱۹۷۴ء کو لیفٹیننٹ جنرل امان میکائیل اندوم کی قیادت میں فوج نے شہنشاہ ہیل سلاسی کے اختیارات محدود کر دیتے اور پھر ۱۲؍ ستمبر ۱۹۷۴ء کو انہیں معزول کر دیا گیا۔ فوجی ٹولے نے کہا کہ سلاسی کے مفلوج بیٹے کو شہنشاہ بنا دیا جائے گا۔ لیکن وعدہ پورا نہ کیا گیا اور اقتدار فوجی جنتا نے اپنی تحویل میں ہی رکھا۔

یوراگوئے

۱۲؍ جون ۱۹۷۶ء کو مسلح افواج نے صدر جوآن۔ ایم یورڈا بیری کو "ناقابلِ حل اختلافات" کی بنا پر معزول کر دیا اور نائب صدر البرٹو ڈیمیکیلی کو صدر مملکت بنا دیا۔ لیکن یہ بھی مسلح افواج کے "بڑوں" کے مفادات پورے نہ کر سکے۔ چنانچہ ۶؍ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو وزیر دفاع ایڈمرل ساگنید کیلو رچ نے خونی "انقلاب" کے بعد اقتدار پر قبضہ کر لیا۔

بقیہ : اسلام آباد

فوج کے حوالے کر کے ایوانِ اقتدار سے رخصت ہو گئے محدود مقاصد کے ساتھ اقتدار میں آنے والی فوج کے سربراہ جنرل یحییٰ خان اپنے مقاصد سے ہٹ گئے انہوں نے انتخاب کرائے۔ مگر اس کے نتائج کو تسلیم نہیں کیا۔ اور ملک ٹوٹ گیا۔ اب بھی مذاکرات کی کامیابی اور ناکامی کے منجدھار سے گزر کر فوج نے اقتدار سنبھالا ہے محدود مقصد سامنے ہے۔ انتخاب مزید ہوں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس کے نتائج کو تسلیم بھی کیا جائے گا یا نہیں' تو جواب ہے کہ اس کے نتائج کو ضرور تسلیم کیا جائے گا کہ انتخاب کرائے ہی اس صورت میں جائیں گے جب ملٹری جنتا کو یہ یقین ہو جائے گا کہ صرف مثبت نتائج ہی نکلیں گے مثبت نتائج کی اصطلاح جنرل ضیاء الحق صاحب کے بقول عام آدمی بخوبی سمجھتے ہیں اور وہ خود بھی مناسب وقت پر اس کی وضاحت کر دیں گے اگر یحییٰ خان نے بھی اس قسم کی پیش بندی کر لی ہوتی تو شاید آج تک کی تاریخ دوسری ہوتی بہر حال ہم دوسروں کے تجربات سے ہی سیکھتے ہیں۔ یوں بھی فوج میں اصول ہے کہ ایک جنرل دوسرے جنرل کی جنگی چالوں کو مدنظر رکھتا ہے۔ اس کی خامیوں کو چھوڑتا ہے۔ اس کی اصلاح کرتا ہے اور خوبیوں پر عمل کرتا ہے۔

ہم نے جب اخبارات پڑھنے شروع کئے۔ تو دیکھا ایک کالم میں لکھا ہوتا ہے۔ ایڈیٹر کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں۔ یہ کالم تو اب بھی ہوتا ہے مگر اس پر یہ عبارت درج نہیں ہوتی۔ ماہنامہ رسالوں میں البتہ لکھا ہوتا ہے کہ واقعات کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے۔ اس کے سارے کردار فرضی ہیں اگر کوئی کردار کسی سے مل جائے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہیں ہم اس عبارت کو یونہی تصور کرتے تھے۔ مگر اب آج جب سے قلم سنبھالا ہے۔ لکھنا چاہتے ہیں تو رک جاتے ہیں۔ مبادا کوئی ناراض نہ ہو جائے۔ حالانکہ ہم صرف ایسے ہی حکایات سنانا چاہتے ہیں اگر اس کے کردار کسی سے مل جائیں تو ہماری ذمہ داری نہیں ہے۔ ایک آدمی کا گھوڑا بیمار ہو گیا۔ گھوڑے کی بیماری سے اس شخص کو تشویش ہوئی۔ سارا وقار ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے رجوع کیا۔ ڈاکٹر نے دوا دیدی۔ وہ صاحب دوا لے کر گھوڑے کے پاس پہنچے گھوڑے نے دوا کھانے سے انکار کر دیا۔ سوچا ہو گا کہ اگر دوا سے اچھا ہو گیا تو پھر اس واہیات آدمی کی سواری میں رہنا پڑے گا وہ صاحب پھر ڈاکٹر صاحب کے پاس گئے' ڈاکٹر نے انہیں بانس کی بنی ہوئی ایک نلکی دی اور کہا اس میں دوا ایک طرف رکھ کر گھوڑے کے منہ میں دیکر پھونک مار دینا۔ وہ صاحب خوشی خوشی پھر مکان پر پہنچے تھوڑی ہی دیر میں وہ پھر ڈاکٹر کے پاس موجود تھے۔ ساری دوائی داڑھی میں بھری ہوئی تھی خوبصورت بالوں میں مٹی تھی۔ کپڑے دوا سے خراب تھے۔ چشمہ موجود نہیں تھا۔ اخباری زبان میں لے آؤٹ بگڑا ہوا تھا۔ ڈاکٹر نے ان کی حالت دیکھی۔ اور پوچھا ارے یہ کیا ہوا۔ بولے صاحب ہونا کیا تھا مجھ سے پہلے گھوڑے نے پھونک مار دی حلیہ بھی بگڑ کر رہ گیا ہے۔ ڈاکٹر کو ان صاحب سے بڑی ہمدردی تھی۔ غصہ گھوڑے پر بھی تھا خاموش رہے اور ان سے کہا آپ فکر نہ کریں۔ ہم آپ کے لئے دوسرا اہتمام کر دیں گے۔ تو صاحبو! یہ صاحب اپنے گھوڑے سے مایوس ہو کر دوسرے گھوڑے یا کسی اور سواری کی فکر میں ہیں کہ ڈاکٹر صاحب نے بھی ان کی مدد کا وعدہ کیا ہوا ہے۔

بنک ملازمین کے اپنے کھاتوں میں مسائل کے علاوہ کچھ نہیں

حبیب الدین جنیدی، سیکرٹری جنرل پاکستان بنکس ایمپلائز فیڈریشن

بنکوں اور مالیاتی اداروں کے ملازمین محنت کش طبقے اور دیگر ملازمت پیشہ افراد کی مانند کل بھی لوٹ کھسوٹ کے استحصالی نظام کے پنجوں میں جکڑے ہوئے تھے اور آج بھی ہیں۔ جو دن گزرتا ہے وہ ان کے مصائب اور مشکلات میں کمی کی بجائے اضافہ کر جاتا ہے۔ بنکوں کے قومی تحویل میں آنے کے بعد انہیں یہ اُمید تھی کہ اُس ناانصافی اور ظلم سے چھٹکارا ملے گا جس کا کہ وہ سرمایہ داروں اور ان کے آلہ کاروں کے ہاتھوں شکار تھے۔ مگر یہ فقط ایک خوش فہمی ہی رہی اور سرمایہ دار گئے تو ان کی جگہ بیوروکریٹس نے سنبھالی اور ظلم کا سلسلہ دراز ہوتا گیا، حالات بد سے بدتر ہوتے گئے اور آج صورتِ حال یہ ہے کہ دنیا بھر کے کھاتوں کو متوازن (BALANCE) کرنے والے بنک ملازمین کے اپنے کھاتوں میں مسائل کے سوا کچھ بھی نہیں!

بنک جب سرمایہ داروں کی تحویل میں تھے تو وہاں ٹریڈ یونینز کو دیگر اداروں اور صنعتوں کی طرح اجتماعی سوداکاری کے حقوق کے استعمال کا حق حاصل تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ بعض بنکوں میں یا تو سرے سے ٹریڈ یونین قائم ہی نہ ہونے دی جاتی تھی اور اگر ملازمین کا اضطراب اور مسائل حد سے بڑھ جاتے تھے تو ایسی صورت میں پاکٹ یونین قائم کر کے سرمایہ دار طبقہ اپنے مفادات کا تحفظ کرنے اور محنت کشوں کے سروں پر مسلط رہنے کی کوشش کرتا تھا مگر ہر حال میں اجتماعی سوداکاری کا حق حاصل تھا اور اُن بنکوں میں جہاں محنت کشوں کی اپنی نمائندہ ٹریڈ یونینز موجود تھیں، ملازمین اُس حق کو استعمال کر کے اپنی تنخواہوں اور سہولتوں میں کسی قدر اضافہ اور متوازن شرائطِ کار کا تعین کراتے تھے اس طرح بحیثیت مجموعی سرمایہ داروں کی لوٹ کھسوٹ اور مظالم کا مقابلہ ملازمین اپنی ٹریڈ یونین کے پلیٹ فارم سے حق اجتماعی سوداکاری کے استعمال کے ذریعہ کرتے تھے۔

۱۹۷۴ء میں جب بنکوں کو قومی ملکیت میں لیا گیا تو ایک عام تاثر یہ تھا کہ اب ٹریڈ یونینز زیادہ مضبوط اور موثر پوزیشن حاصل کر لیں گی مگر معاملہ اس کے بالکل برعکس نکلا اس وقت کی حکومت نے صنعتی تعلقات کے آرڈی ننس مجریہ ۱۹۶۹ء میں اس طرح ترمیم کی کہ بنکوں اور مالیاتی اداروں کی ٹریڈ یونینز کے حق اجتماعی سوداکاری کو سرے سے ختم کر کے ایک ریٹائرڈ جج اور چند ریٹائرڈ بیوروکریٹس پر مشتمل "ویج کمیشن" نامی ادارہ قائم کر دیا۔ اس طرح حکومت نے کارکنوں کی تنخواہوں اور شرائط کار کے تعین کے اس طریقہ کو جو کہ صنعتی تعلقات کے آرڈی ننس مجریہ ۱۹۶۹ء کی دفعات کے تحت دو فریقی مذاکرات (ایک فریق انتظامیہ دوسری ٹریڈ یونین) کے بعد ایک تحریری اور قانونی سمجھوتہ کی صورت میں ہوتا تھا۔ ویج کمیشن قائم کر کے "ایک فریقی" کر دیا اور یہ تنہا فریق خود حکومت بلا شرکت غیرے بن بیٹھی۔ حق اجتماعی سوداکاری کا وہ مسلّم بین الاقوامی اصول بیک جنبش قلم ختم کر دیا گیا جس کے حصول کے پس منظر میں محنت کش طبقے کی طویل جدوجہد اور قربانیاں شامل ہیں۔ حکومت کے دانشوروں نے ایسا غیر دانشمندانہ فیصلہ کرتے وقت یہ بھی نہ سوچا کہ وہ بین الاقوامی ادارۂ محنت کی کنونشنز اور ان قراردادوں کی صریح خلاف ورزی کے مرتکب ہو رہے ہیں جن کے تحت اجتماعی سوداکاری کے اصول کو قانونی اور عالمی طور پر تحفظ فراہم کیا گیا ہے اور خود حکومت پاکستان بھی اس فیصلہ کی پابند ہے۔

اس مرحلہ پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہم نے ہمیشہ اصولی طور پر بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کے عمل کی حمایت کی ہے اور آج بھی اپنے اس موقف پر پوری مضبوطی سے قائم ہیں مگر قومی ملکیت میں لینے کے بعد حکومت جس طرح ان اداروں کا انتظام چلا رہی ہے اور ملازمین کے ساتھ جس "بیوروکریٹک" انداز میں برتاؤ کیا جا رہا ہے۔ ہم پوری شدت کے ساتھ اس طریقہ کار کے سب سے بڑے مخالف ہیں۔ ہمارا یہ موقف فقط سرمایہ دارانہ نظام کی دشمنی کے نظریہ پر مبنی نہیں، بلکہ بنکاری کے نظام نے قومی ملکیت میں آنے کے بعد متعلقہ وزارتوں کے نوکر شاہی اندازِ فکر کی رکاوٹوں کے باوجود ڈپازٹ، منافع اور کاروبار میں جس رفتار سے ترقی کی ہے اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ قومی ملکیت کا تصور بحیثیت مجموعی ایک کامیاب نظریہ ہے۔ بنیادی طور پر قومی ملکیت کے تصور میں کوئی خرابی نہیں بلکہ یہ نظریہ ملک کے اجتماعی مفادات کو تحفظ فراہم کرنے اور اقتصادی استحکام پیدا کرنے کے لئے بروئے کار لایا جاتا ہے اصل خرابی کی جڑ وہ طریقہ کار ہے جو ہمارے ملک کی صنعتوں اور بعض اداروں کو قومی تحویل میں لینے کے بعد اس کے انتظام کے سلسلے میں اختیار کیا گیا ہے۔ اس طریقہ کار کے تحت جملہ معاملات کی تمام کار چند بیوروکریٹس سنبھال لیتے ہیں اور اپنی فرسودہ فکر کی عینک سے تمام معاملات کو دیکھتے اور اسی کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ قومی ملکیتی بنک اور مالیاتی ادارے بھی بیوروکریسی کی اسی زنگ آلود فکر کی زد میں آ چکے ہیں اور اس فکر کا پہلا نشانہ ان اداروں کے ملازمین بنے ہیں جن کی تنخواہیں، شرائط کار، اوقات کار اور ٹریڈ یونین کا حق اجتماعی سوداکاری سوچ کے اسی انداز کی نذر ہو چکا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ قومی ملکیت کے تصور پر حملے کر کے سرمایہ دارانہ نظام کی وکالت کرنے کی بجائے قومی ملکیت کے اداروں جن میں بنک اور مالیاتی ادارے بھی شامل ہیں کے انتظام کی اصلاح اس طرح کی جائے کہ متعلقہ صنعت کے ماہرین اور کارکنوں کو انتظامی ڈھانچہ میں مرکزی اور کلیدی اہمیت کے فرائض اور اختیارات تفویض کئے جائیں اور نوکر شاہی اندازِ فکر کے خلاف ایک باقاعدہ اور مسلسل جدوجہد کا آغاز کیا جائے۔ اس طریقہ کو اپنا کر ہم قومی ملکیتی بنکوں کو نوکر شاہی کے اثر و نفوذ سے بچانے کے ساتھ ساتھ انہیں زیادہ منفعت بخش، مستحکم اور تجارتی خطوط پر چلا سکتے ہیں۔

ہم دوبارہ اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ۱۹۷۴ء میں ٹریڈ یونین کے اجتماعی سوداکاری کے حق کی سلبی سے لے کر آج تک بنکوں اور مالیاتی اداروں کے ملازمین کے مسائل میں اضافہ کے سوا کچھ نہیں ہوا۔ ۱۹۷۴ء سے ۱۹۷۸ء کی چار سالہ مدت پر ایک نظر ڈالیں تو ہمیں ہیجان اور اضطراب کی ایک مسلسل کیفیت ملے گی۔ سابقہ اسٹینڈرڈ بنک کے ملازمین کو وسط ۱۹۷۴ء سے جون ۱۹۷۵ء تک انضمام کے فارمولہ کے خلاف اپنی بنیادی تنخواہوں اور سینیارٹی آف سروس کے تحفظ کے لئے ایک طویل جدوجہد کرنی پڑی، یونائیٹڈ بنک کے محنت کشوں کو چوکیداروں کے اوقات کار میں اضافہ کے خلاف میدان عمل میں کودنا پڑا، مسلم کمرشل بنک کے ملازمین کو اوائل ۱۹۷۵ء میں بونس کی رقم میں کٹوتی کے خلاف شدید مظاہرے کرنے پڑے جون ۱۹۷۵ء میں تمام بنکوں اور مالیاتی اداروں کے ملازمین نے ویج کمیشن کے فیصلوں کے خلاف ملک گیر تاریخی ہڑتال کی۔ جون ۱۹۷۷ء میں حبیب بنک کے محنت کشوں کو نامنصفانہ اور ناقص پروموشن پالیسی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ جون ۱۹۷۷ء ہی میں تمام بنکوں اور مالیاتی اداروں کے ملازمین نے ہاؤس رینٹ الاؤنس کی ادائیگی کے لئے مشترکہ اقدامات اٹھائے اور ابھی حال ہی میں تمام قومی ملکیتی بنکوں اور مالیاتی اداروں کے ملازمین اوقات کار میں اضافہ کے فیصلہ کے خلاف مجسّم احتجاج بن گئے جس کی بازگشت آج بھی باقی ہے۔ غرضیکہ اس عرصے کے دوران جتنی ہڑتالوں اور احتجاجی مظاہروں کی تعداد ہمیں ملتی ہے اس سے قبل گذشتہ چوتھائی صدی میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں پایا جاتا۔ اس صورتِ حال کے پیدا ہونے کے اصل اسباب کیا ہیں؟

مختلف سوچ اور اندازِ فکر کے حامل افراد اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اس کا جواب دیں گے۔ مثلاً سابقہ حکومت کے وفاقی وزیر محنت (جو بعد میں وزیر خزانہ بھی مقرر ہوئے) رانا محمد حنیف صاحب جو کہ بنک ملازمین میں وزیر سے زیادہ تھانیدار کی حیثیت سے مشہور تھے۔ مزدوروں کی جدوجہد کو بنکوں کو قومی ملکیت میں لینے کے عمل کے خلاف سرمایہ داروں کی سازش قرار دیتے تھے اور اس طرح ملازمین پر اپنے مظالم کا جواز پیدا کرتے تھے "بیوروکریسی" اسے بنک ملازمین میں شر پسند اور تخریبی عناصر کی سرگرمیوں پر محمول کرے گی علاوہ اس میں سیاسی جماعتوں کے ہاتھ تلاش کرے گی، مزدوروں کی طبقاتی سوچ سے بنیادی اختلاف رکھنے والے مگر مزدوروں کی صفوں میں موجود اور سرگرم عمل سرمایہ داروں کے آلۂ کار عناصر اسے اپنی فکر سے اختلاف رکھنے والی لیڈر شپ کے سر تھوپنے کے ساتھ ساتھ بنیادی خرابی قومی ملکیت میں لئے جانے کے عمل کو قرار دیں گے جب کہ بنکوں کی انتظامیہ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد جو کہ ان اداروں میں مختار کل بنے بیٹھے ہیں اسے محنت کشوں میں بڑھتی ہوئی بدنظمی اور اس کا ذمہ دار ٹریڈ یونین کو ٹھہرائیں گے۔ مگر حقیقت کیا ہے؟

ہمارے نقطۂ نظر سے گذشتہ چار سالوں سے اب تک روز افزوں بے چینی، ہڑتالوں اور احتجاجی مظاہروں کا اصل اور سب سے بڑا اور اہم سبب ٹریڈ یونین کے حق اجتماعی سوداکاری کی سلبی ہے اس حق کے سلب ہو جانے سے صرف ٹریڈ یونین ہی غیر فعال نہیں ہوئی بلکہ ملازمینِ صنعت بنکاری کا احساسِ محرومی اور عدم شرکت انتہائی شدت اختیار کر گیا ہے۔ ان کے ذہنوں میں یہ بات بیٹھ رہی ہے کہ وہ اپنے ہی اداروں میں ایک بے جان مشین سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتے، اُن کے فرائض تو انتہائی سختی کے ساتھ متعین کر دیئے گئے ہیں مگر اُن کے مسائل کے حل اور اُن کے حقوق کی نگہداشت کسی کی ذمہ داری نہیں۔ وہ خواہ کتنی ہی محنت کیوں نہ کریں، ڈپازٹ اور منافع چاہے کتنا ہی کیوں نہ بڑھ جائے انہیں صرف وہی ملے گا جو کہ حکومت کا مقرر کردہ ویج کمیشن اپنے نقطۂ نظر اور ذہنیت کے مطابق مناسب سمجھے گا۔ اس بڑھتی ہوئی بے چینی، اضطراب اور احساسِ محرومی کا مداوا صرف اور صرف ایک فعال ٹریڈ یونین ہی کر سکتی ہے مگر حق اجتماعی سوداکاری سے محروم ٹریڈ یونین حقیقی معنوں میں کوئی فعال

کردار ادا ہی نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ مالیاتی اداروں میں محرومی بڑھتا جارہا ہے جو مختلف اوقات مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے یہ کشمکش اس وقت تک کبھی کمی اور کبھی شدت کے ساتھ جاری رہے گی تاوقتیکہ اصل سبب کو تسلیم کرتے ہوئے مسئلہ کو حقیقت پسندانہ انداز میں حل نہ کیا جائے گا۔

اب آئیے ایک نظر اُن سہولتوں، شرائط ملازمت اور تنخواہوں اور الاؤنسز کے اسکیل پر ڈالتے ہیں جن کا وفاقی حکومت نے جون ۱۹۷۵ء میں اعلان کرتے وقت ابلاغ عامہ کے ذرائع سے زبردست ڈھنڈورہ پیٹا تھا اور عوام کو یہ انتہائی غلط تاثر دینے کی کوشش کی تھی کہ بنک ملازمین کو دیگر ملازمت پیشہ طبقات کی نسبت بدرجہا بہتر "مراعات" سے نوازا گیا ہے؟

تنخواہوں اور الاؤنسز کے موجودہ اسکیلز جن کا تعین اب سے تین سال قبل کیا گیا تھا اس وقت کی مہنگائی کی نسبت اعلان کے وقت ہی کم از کم دو سال پرانے معلوم ہوتے تھے اس پر سونے پر سہاگہ یہ کہ اس تین سالہ مدت کے دوران ان پر ایک بار بھی نظر ثانی نہیں کی گئی اور اس طرح بنکوں اور مالیاتی اداروں کے ملازمین آج بھی کم از کم پانچ سال پرانے تنخواہوں اور الاؤنسز کے اسکیلز کے تحت گذر اوقات کرنے پر مجبور ہیں۔ ملک کی کوئی بھی دوسری انڈسٹری یا تجارتی ادارہ منافع اور کاروبار کے ضمن میں بینکنگ انڈسٹری سے مسابقت نہ کرسکی مگر اس کے باوجود قومی تحویل میں لی گئی دیگر صنعتوں اور کارپوریشنز میں زیادہ بہتر اور پرکشش اسکیلز اور الاؤنسز رائج ہیں اور ان کی شرائط کار بھی بنکوں سے بہتر ہیں۔ کچھ عرصہ قبل اخبارات میں ایک نیم سرکاری کارپوریشن کی جانب سے "خالی آسامیوں" کے عنوان سے ایک اشتہار شائع ہوا تھا اس کو دیکھ کر اندازہ ہوا کہ اس کارپوریشن کی کینٹین کے (POT-WASHER) برتن دھونے والے ملازم کی تنخواہ کا اسکیل قومی ملکیتی بنک کے کلرک کے اسکیل سے کہیں بہتر ہے۔ اس ایک مثال سے ہی بنکوں اور مالیاتی اداروں کے کلریکل اور نان کلریکل عملے کی تنخواہوں اور الاؤنسز کی صورت حال اور معیار واضح ہو جاتا ہے۔

بونس کی ادائیگی کا فارمولا عجیب و غریب اور "بنیا ذہنیت" کا عکاس ہے۔ اس فارمولے میں بونس کی رقم کی زیادہ سے زیادہ حد کا تعین کر دیا گیا ہے جو ایک سال میں دو بنیادی تنخواہوں اور ایک مکمل تنخواہ سے کسی حال میں بھی نہیں بڑھ سکتی۔ حالانکہ عموماً کسی بھی قسم کا فارمولا وضع کرتے وقت "کم سے کم" حد کا تعین کیا جاتا ہے مگر یہاں معاملہ برعکس ہے۔ اس طرح ادارہ کے سال بہ سال بڑھتے ہوئے منافع سے محنت کشوں کے حصے کو منجمد کر دیا گیا ہے۔

چوکیداروں (GUN-MAN) کے اوقات کار پر نظر ڈالئے تو محسوس ہوگا کہ ہم ابھی تک دورِ غلامی میں رہ رہے ہیں اور ہمارا مہذب دنیا سے کوئی واسطہ نہیں۔ ویج ایوارڈ کے تحت چوکیداروں سے روزانہ بارہ سے چوبیس گھنٹوں تک مسلسل ڈیوٹی لی جاتی ہے، انہیں کسی قسم کی ہفتہ وار یا تہواری تعطیل بھی میسر نہیں۔ آٹھ گھنٹے یومیہ سے زائد کام کرنے کا معاوضہ انہیں سوا چھ پیسے فی گھنٹہ ادا کیا جاتا ہے جس کی زیادہ سے زیادہ رقم ایک برانچ میں ایک چوکیدار متعین ہونے کی صورت میں مبلغ -/۱۰۱ روپے ماہانہ ہوتی ہے۔ مسلسل ۲۴ گھنٹے ڈیوٹی کی ادائیگی پر کسی انسان کو مجبور کرنا ایک ایسا شرمناک فعل ہے کہ جسے حیوانی سلوک سے کم سے تشبیہہ دینا بجائے خود ایک زیادتی ہوگی مگر افسوس کہ اس اصول کو نافذ کرنے والوں نے کبھی بھی اس پر ذرا سی بھی شرم محسوس نہ کی بلکہ اس کے برعکس جب کبھی بھی اس معاملہ کو اٹھایا گیا تو انہوں نے بے وزن تاویلات کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ ایک چوکیدار کو ماسوا اس کے کہ وہ ہر وقت بنک کی عمارت میں موجود رہے اور کوئی فرض ادا نہیں کرنا پڑتا۔ اول تو یہ دلیل سراسر بے بنیاد ہے، دوئم اگر تھوڑی دیر کے لئے برائے بحث اسے درست مان بھی لیا جائے تو کیا دنیا کا کوئی قانون یا اصول آج کے حالات میں آپ کو اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ آپ اپنی دلیل کی بنا پر آٹھ گھنٹے یومیہ ڈیوٹی کو مسلسل ۲۴ گھنٹوں میں تبدیل کر دیں اور ایک انسان کو اس کے سماجی، معاشرتی خاندانی اور دیگر روابط اور رشتوں سے محروم کر دیں! یقیناً کوئی بھی قانون یا اصول عام حالات میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا اور اگر ایسا کوئی اصول موجود ہے تو پھر اسے وحشیانہ ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔ بہر کیف دنیا کے کسی مہذب خطہ میں ایسا کوئی اصول یا قانون موجود ہو یا نہ ہو یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کا اطلاق طویل مدت سے قومی ملکیتی بنکوں کے چوکیداروں پر کیا جارہا ہے۔

اپنے ملازم کو طبی سہولت کی فراہمی کسی بھی ادارہ کی بنیادی ذمہ داری تصور کی جاتی ہے مگر قومی ملکیتی بنک اور مالیاتی ادارے اس ذمہ داری سے بڑی حد تک بری الذمہ ہیں۔ موجودہ ویج ایوارڈ کے مطابق عام حالات میں علاج معالجہ کی صورت میں دواؤں کے جملہ اخراجات خود ملازم کو برداشت کرنا ہوتے ہیں۔ بنک صرف ڈاکٹری معائنہ کی فیس ادا کرتا ہے۔ آپریشن اور ہسپتال میں داخلہ کی صورت میں بنک کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جملہ اخراجات بمعہ دواؤں کی قیمت برداشت کر سکتا ہے۔ یہ اختیارات بنک کے اعلیٰ افسران اپنی صوابدید اور پسند ناپسند کے مطابق استعمال کرتے ہیں اور اس طرح ملازمین حقیقتاً اس سہولت سے بھی محروم ہی نہیں۔ ملک کے ایک بڑے بنک میں ایسا بھی ہوا ہے کہ افسر مجاز نے بواسیر (PILES) کے آپریشن کے جملہ اخراجات کو یہ کہہ کر ادا کرنے سے انکار کر دیا کہ یہ "مرض" "میعادی" اور خطرناک مرض نہیں ہے۔ گلے کے غدودوں کے آپریشن کے بارے میں بھی یہی "ہمدردانہ" رویہ اختیار کیا گیا۔ غرض کہ بمصداق "جسے پیا چاہے وہی سہاگن" طرز کی طبی سہولتیں بنکوں اور مالیاتی اداروں میں رائج ہیں۔ اس پر بھی تماشہ یہ کہ ان نام نہاد سہولتوں کے دائرے سے ملازمین کے زیر کفالت والدین کو خارج رکھا گیا ہے یعنی ایوارڈ کے مرتبین کی نظر میں ماں باپ کا اپنی اولاد پر کوئی حق نہیں ہوتا۔

ع جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

پروموشن پالیسی ایک ایسا مسئلہ ہے کہ جو تقریباً تمام ہی بنکوں اور مالیاتی اداروں میں گذشتہ سالوں کے دوران بے چینی، ہیجان، تنازعہ اور انتظامیہ اور محنت کشوں کے مابین شدید کشمکش کا باعث بنا رہا ہے اور آج بھی جوں کا توں موجود ہے۔ ہر بنک اور مالیاتی ادارے کی اپنی جداگانہ پروموشن پالیسی ہے جو کہ متعلقہ انتظامیہ نے اپنی مرضی و منشا کے مطابق مرتب کر رکھی ہے۔ حبیب بنک میں کلرک سے افسر بننے کے لئے تحریری ٹیسٹ اور پھر انٹرویو میں کامیابی حاصل کرنا ہوتی ہے۔ یونائیٹڈ بنک میں بحیثیت افسر ترقی پانے کی شرط انٹرویو میں کامیابی ہے۔ مسلم کمرشل بنک میں کوئی نام نہاد قسم کا معیار بھی مقرر نہیں اور انتظامیہ جسے مناسب سمجھتی ہے اسے پروانۂ ترقی جاری کر دیتی ہے۔ اسٹیٹ بنک میں سرے سے کوئی

دوسری جانب وہیں ایسے حضرات کلرکی کرتے نظر آتے ہیں جن کی مدت ملازمت ۲۵ سے ۳۰ سالوں کے عرصہ پر محیط ہے اور ریٹائرمنٹ کے قریب ہیں۔ بنک ملازمین ویج ایوارڈ کے مرتبین کی یہ منطق سمجھنے سے آج تک قاصر ہیں کہ جب تنخواہوں اور الاؤنسز کے اسکیل انہوں نے تمام بنکوں اور مالیاتی اداروں کے لئے یکساں مقرر کر دیئے تو آخر پروموشن پالیسی کے بارے میں انہوں نے کیوں انتہائی واضح فیصلہ کرنے سے گریز کیا! اس طرح مرتبین ایوارڈ نے انتظامیہ کے مضبوط ہاتھوں میں غریب ملازمین کی کمزور گردن پکڑا کر اپنے طبقاتی جھکاؤ کا مظاہرہ کیا ہے اور "آقا" اور "ملازم" کے فرسودہ نظریہ کی اپنے غیر واضح فیصلہ کے ذریعہ آبیاری کی ہے

دنیا بھر میں یہ تسلیم شدہ اصول ہے کہ دفتری اوقات کے بعد زائد کام کرنے پر اوور ٹائم کی رقم کی ادائیگی کی جاتی ہے اور یہ ادائیگی تنخواہ کی دوگنی شرح پر ہوتی ہے مگر بنک ملازمین کے لئے ویج ایوارڈ کے تحت یہ سہولت بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس ضمن میں یہ فارمولہ وضع کیا گیا ہے کہ دفتری اوقات کے خاتمہ کے بعد بھی مزید دو گھنٹوں تک بغیر کسی اوور ٹائم کی ادائیگی کے ملازم کو اپنا کام ختم کرنا ہوگا۔ اگر ان دو گھنٹوں میں بھی کام ختم نہ ہو سکے تو پھر اوور ٹائم ادا کیا جائے گا اور اوور ٹائم کی رقم کسی بھی حالت میں ایک ماہ میں ایک بنیادی تنخواہ سے زیادہ نہیں ہو

نوکرشاہی اندازِ فکر کے خلاف ایک باقاعدہ اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے

ٹریڈ یونین کارکنوں کے خلاف مقدمات واپس لئے جائیں

پالیسی ہی موجود نہیں اور کسی ملازم کے لئے ترقی حاصل کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ نیشنل بنک میں کسی حد تک کچھ اصولوں کی بنیاد پر ہر سال پروموشن دیئے جاتے ہیں مگر معیار کو بہرکیف تسلی بخش نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے باوجود سوا نیشنل بنک کے دیگر بنکوں کی پروموشن پالیسی کا بنیادی سقم یہ ہے کہ معیارِ ترقی صرف تعلیمی قابلیت اور مدتِ ملازمت (SENIORITY) نہیں بلکہ افسرانِ بالا کی ذاتی پسند کو زیادہ دخل ہوتا ہے۔ بااختیار افسران اپنا یہ مقصد انٹرویو کے مراحل کے دوران بآسانی اور انتہائی خاموشی سے حاصل کر لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کمرشل بنکوں میں جہاں ایک جانب انتہائی کم عمر افسران مصروف کار دکھائی دیتے ہیں تو

سکتی۔ یہ ہے اوور ٹائم کا وہ "سائنٹیفک فارمولہ" جس پر بنکوں میں عمل کیا جاتا ہے۔ یہاں یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا کہ سوائے ایک آدھ بنک کے کسی بھی بنک میں اس نام نہاد فارمولے پر بھی عمل درآمد نہیں کیا جاتا اور یوں بنک ملازمین اس سہولت سے کلی طور پر محروم ہیں۔

مالی طور پر مستحکم یا غیر مستحکم صنعتی ادارے ہوں یا تجارتی اپنے ملازمین کو عام طور پر اور خواتین کارکنوں کو خاص طور پر ٹرانسپورٹ کی سہولت یقینی طور پر فراہم کرتے ہیں۔ اس سہولت کے دو مقاصد ہوتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ ملازمین مقررہ وقت پر دفتر پہنچ سکیں۔ دوئم خواتین کارکنوں کے لئے یہ ایک اضافی مگر ضروری سہولت تصور کی جاتی ہے اور اس طرح ان کا وہ وقت

جو کہ انہیں بسوں اور رکشہ کے پیچھے بھاگنے دوڑنے میں صرف کرنا پڑتا ہے وہ ضائع ہونے سے بچتا ہے جسے وہ اپنی گھریلو ذمہ داریوں یا تعلیمی قابلیت اور استعداد بڑھانے پر صرف کر سکتی ہیں۔ افسوس کہ بنکوں اور مالیاتی اداروں کی خواتین کارکنوں کو یہ بنیادی سہولت بھی میسر نہیں ہے اور دفتر سے فارغ ہونے کے بعد انہیں خاصا وقت ٹرانسپورٹ کے حصول میں ضائع کرنا پڑتا ہے۔ ایک مہذب معاشرہ میں خواتین کو ممتاز اور باعزت مقام حاصل ہوتا ہے اور خاص طور پر ہمارے جیسے نیم ترقی یافتہ ملک میں یہ بہت ضروری ہے کہ خواتین بھی تمام شعبہ ہائے زندگی میں مردوں کے شانہ بشانہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم اپنے اداروں اور صنعتوں میں خواتین کارکنوں کی شرکت کی حوصلہ افزائی کی غرض سے انہیں اضافی سہولتیں مہیا کریں تاکہ وہ بھی بلا تامل ملکی ترقی میں اپنا موثر اور بھرپور کردار ادا کر سکیں بنکوں کی انتظامیہ اور ویج کمیشن دونوں ہی کے ذمہ داران کو اس پر سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے اور کم از کم کراچی اور لاہور جیسے شہروں میں ہر بنک کی یہ ذمہ داری ہونی چاہیئے کہ وہ خواتین کارکنوں کے لئے ٹرانسپورٹ کی خصوصی سہولت فراہم کرے۔

وفاقی حکومت نے ویج کمیشن کی رپورٹ کو ایوارڈ کا درجہ دے کر اسے قانونی تحفظ تو فراہم کر دیا لیکن اس بات کی وضاحت کہیں نہیں کی گئی کہ ایوارڈ کی دفعات کی تشریح اور تشریح پر اختلاف کی صورت میں کس ادارے سے رجوع کیا جائے۔ اگر اس مسئلہ پر خاموشی اختیار کرنے سے حکومت کا مقصد یہ تھا کہ عام عدالتیں تنازعہ کی صورت میں اس ایوارڈ کی دفعات کے بارے میں فیصلہ کریں تو یہ مقصد ہرگز پورا نہیں ہوا۔ کیونکہ عدالتوں سے عام طور پر کوئی بھی فریق صرف اسی صورت میں رجوع کرتا ہے کہ جب کوئی اور راستہ باقی نہیں رہتا۔ اس کے علاوہ روزمرہ پیدا ہونے والے مسائل اور ان کی تشریحات کے بارے میں آپ عدالتوں سے روز روز رجوع نہیں کر سکتے۔ اس طریقہ کار میں پیسہ بھی بہت خرچ ہوتا ہے اور وقت بھی۔ اس صورت حال کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ عام حالات میں بنکوں کی انتظامیہ ایوارڈ کی دفعات کی اپنے طور پر تشریح کر کے عمل درآمد کرتی ہیں یا پھر وفاقی وزارت خزانہ نے از خود یہ ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے۔ وفاقی وزارت خزانہ کے فیصلوں اور تشریحات کا معیار کیا ہے، اس کا اندازہ نیشنل بنک آف پاکستان کے سپروائزروں، سابقہ اسٹینڈرڈ بنک لمیٹڈ کے جونیئر افسروں اور انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بنک آف پاکستان کے سپروائزروں کی حیثیت کے تعین کے مسئلہ پر بخوبی پرکھا جا سکتا ہے یہ معاملہ اس طرح ہے کہ جون ۷۵ء میں ویج ایوارڈ کے اعلان کے بعد نیشنل بنک کی انتظامیہ نے اپنے ہاں کے سپروائزری کیٹگری کے ملازمین کو اور حبیب بنک کی انتظامیہ نے سابقہ اسٹینڈرڈ بنک کے جونیئر افسران کو کلریکل اسکیل ۵ میں ضم کر دیا۔ یہی عمل انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بنک آف پاکستان میں بھی کیا گیا اور اس طرح ان تینوں اداروں میں خاصی تعداد میں افسران کی تنزلی عمل میں لائی گئی جون ۷۵ء ہی سے یہ مسئلہ وجہ تنازعہ بنا رہا اور

بنکوں میں اجتماعی

سوداکاری کا

حق بحال کیا جائے
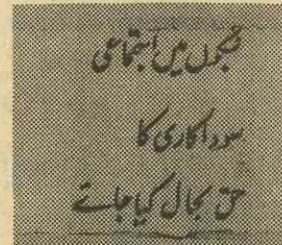
ستمبر ۱۹۷۶ء میں وفاقی وزارت خزانہ نے نیشنل بنک کے سپروائزروں کی سابقہ حیثیت بحال کرتے ہوئے بنک انتظامیہ کو ہدایت کی کہ انہیں افسر گریڈ تھری کے اسکیل میں ضم کر دیا جائے۔ اس فیصلہ پر سابقہ اسٹینڈرڈ بنک اور انڈسٹریل ڈویلپمنٹ بنک کے جونیئر افسران اور سپروائزروں نے اظہار خوشی کیا کہ اب ان کے ساتھ بھی انصاف ہوگا۔ مگر آج چھ ماہ گذرنے اور متعدد درخواستوں کی ارسالی کے باوجود یہ مسئلہ وفاقی وزارت خزانہ کے حکام کے سرد مہرانہ رویّہ کا شکار اور ہنوز فیصلہ طلب ہے اس ایک معاملہ ہی سے آپ فیصلوں اور تشریحات کے معیار کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

ویج کمیشن ایوارڈ کے فیصلوں سے پیدا شدہ مسائل کے علاوہ گذشتہ چھ ماہ کے دوران بھی بعض ایسے مسائل پیدا ہوتے ہیں جن کا بنک ملازمین پر براہ راست اثر پڑا ہے۔ اگست ۱۹۷۷ء میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے ضابطہ ۲۵ جاری کیا جس کے تحت سرکاری محکموں کے ملازمین پر سیاست میں حصہ لینے پر پابندی عائد کرتے ہوئے اس ضابطہ کے دائرہ اثر میں لے کر اب تک ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ۷۰ ملازمین کو جن کی اکثریت کلریکل اور نان کلریکل عملہ پر مشتمل ہے روزگار سے محروم کیا جا چکا ہے۔ ضابطہ ۲۵ کی تلوار ملازمین کے سروں پر مسلسل لٹک رہی ہے اور انتظامیہ کسی بھی وقت کسی بھی ملازم کے خلاف اسے حرکت میں لا سکتی ہے۔ ہم اصولی طور پر ٹریڈ یونینز کو سیاسی جماعتوں کا دُم چھلا بنائے جانے کے سخت خلاف ہیں مگر اس کے ساتھ ہی اس بات کے سخت ترین مخالفین میں سے ہیں کہ کسی فرد کو اس کے خیالات، نظریات یا سیاسی وابستگی کی بنیاد پر حق روزگار سے محروم کیا جائے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ حکومت اس معاملہ کا دوبارہ جائزہ لے، ضابطہ ۲۵ کے تحت برطرف کئے گئے ملازمین کو بحال کرے۔

اسی طرح اوقات کار میں اضافہ کا مسئلہ بھی ہے۔ یکم جنوری ۷۸ء کو چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے سرکاری محکموں میں نصف دن کی تعطیل ختم کرنے کا اعلان کیا۔ گو کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر نے صرف سرکاری محکموں کے ضمن میں یہ بات کہی تھی مگر حکام نے جب عمل درآمد شروع کیا تو بنکوں اور مالیاتی اداروں پر بھی اس کا اطلاق کر دیا۔ یہ وضاحت ضروری ہے کہ بنک اور مالیاتی ادارے قومی ملکیت میں ہونے کے باوجود خالصتاً سرکاری محکمے تصوّر نہیں کئے جاتے، نہ ہی بنک ملازم کو قانونی طور پر "سرکاری ملازم" تصوّر کیا جاتا ہے مگر اس حقیقت کے باوجود بھی بنک ملازمین کی دو ہفتہ واری نصف تعطیلات کا خاتمہ کر دیا گیا اور ساتھ ہی اوقات کار و کاروبار میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ ہمیں اس مسئلہ کو دوسرے پہلوؤں سے بھی دیکھنا چاہیئے اور یہ فیصلہ کرنا چاہیئے کہ آیا اوقات کار میں اضافہ اور نصف تعطیلات کے خاتمہ سے ملکی ترقی میں کوئی مدد ملی ہے یا آبادی کے ملازم پیشہ طبقہ کے مسائل میں اضافہ ہوا ہے۔ بنکاری کے جس عالمی نظام سے ہمارا ملک منسلک ہے اس کے تحت چند ممالک کو چھوڑ کر بقایا تمام دنیا میں ہفتہ اور اتوار کے ایام کو مکمل تعطیل ہوتی ہے اور بنکاری معطل رہتی ہے جب کہ ہم ان دو دنوں میں بنکاری کے جملہ فرائض انجام دے رہے ہوتے ہیں مگر بقایا دنیا سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہوتا اور انٹرنیشنل بنکنگ مکمل طور پر مفلوج رہتی ہے اور اس طرح ہفتہ اور اتوار کو ہم لاحاصل قسم کی مشقت میں مصروف ہوتے ہیں۔ اس مسئلہ کا سماجی پہلو بھی بہت اہم ہے کہ بنک ملازمین ہفتہ

ضابطہ ۲۵ کے تحت

برطرف کئے گئے

ملازمین کو بحال کیا جائے

کے چھ دنوں میں صبح سے شام تک دفتری معمولات میں مشغول رہتے ہیں اور اپنی سماجی یا خاندانی ضرورتوں کے لئے وقت نہیں نکال سکتے جب کہ جمعہ کا دن عام تعطیل کا ہوتا ہے اور اس دن سوائے ٹرانسپورٹ کے جملہ کاروبار مکمل طور پر بند ہوتا ہے اور آپ گھر پر پڑے رہنے کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ ایسی صورت میں ملازمین اپنی گھریلو ضروریات کو کس طرح پورا کریں اور سماجی رشتوں اور سرگرمیوں کو کس طرح برقرار رکھیں! یہ ایک اہم اور حل طلب مسئلہ ہے اور یہ اسی صورت میں حل ہو سکتا ہے کہ سابقہ اوقات کار اور دو دنوں کی نصف تعطیلات بحال کی جائیں لیکن اگر حکومت موجودہ اوقات کار ہی کو جاری رکھنے میں بہتری محسوس کرتی ہے تو پھر جمعہ کے علاوہ ہفتہ کے دن کو بھی بنکوں اور مالیاتی اداروں کے لئے مکمل تعطیل کا دن قرار دیا جائے۔

موجودہ حکومت نے سابقہ حکومت کے دور میں برطرف کئے گئے سرکاری ملازمین کی ملازمتوں پر بحالی کے لئے اہم اقدامات اٹھائے ہیں۔ اسی طرح پی آئی اے کے برطرف شدہ ٹریڈ یونین کارکنوں کو دوبارہ ملازمتوں پر بحال کر کے موجودہ حکومت نے ایک اچھے کام کی ابتدا کی ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس دائرہ کو وسیع کیا جائے اور اس میں بنکوں اور مالیاتی اداروں کو بھی شامل کیا جائے۔ کیونکہ ۱۹۷۵ء میں خاص طور پر ویج کمیشن ایوارڈ کی اشاعت کے بعد بنک ملازمین کو انتہائی مظالم کا نشانہ بنایا گیا۔ تشدد اور قید و بند کی صعوبتوں کے علاوہ سینکڑوں کارکنوں کو ٹریڈ یونین سرگرمیوں کی بنیاد پر روزگار سے بھی محروم کر دیا گیا جو آج تک بے روزگار ہیں۔ اس مسئلہ کا خالصتاً انسانی ہمدردی کی بنیادوں پر بھی جائزہ لینا چاہیئے اور برطرف شدہ کارکنوں کو ملازمتوں پر بحال کر کے ایک دیرینہ حل طلب مسئلہ کا تصفیہ کیا جانا چاہیئے۔ اسی طرح ۵ جولائی ۷۷ء تک انتظامیہ نے سیاسی اور انتقامی بنیادوں پر بنکوں کی ٹریڈ یونینز پر درجنوں کے حساب سے فوجداری عدالتوں اور این آئی آر سی (N.I.R.C) میں مقدمات قائم کئے جن میں سے کئی اب تک زیر سماعت ہیں اور ٹریڈ یونینز کے اہم عہدیداران ان مقدمات کی جواب دہی میں مصروف ہیں۔ موجودہ حکومت نے ماضی میں قائم کئے گئے سیاسی نوعیت کے تقریباً تمام ہی مقدمات کو واپس لے لیا ہے مگر ابھی تک ٹریڈ یونین کارکنوں کے خلاف قائم کردہ مقدمات واپس نہیں لئے گئے۔ اس مسئلہ کو بھی حل کیا جانا چاہیئے اور جس طرح سیاسی پارٹیوں کے رہنماؤں پر قائم کردہ مقدمات واپس لئے گئے ہیں اسی طرح ٹریڈ یونین رہنماؤں پر قائم کردہ مقدمات کو بھی ختم کیا جانا چاہیئے۔

ہم نے اس مضمون میں بنک ملازمین کے صرف خاص خاص اور اہم مسائل کا تذکرہ کیا ہے اور ممکنہ حد تک اختصار سے کام لینے کی کوشش کی ہے ورنہ مسائل اس قدر شدید اور ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس کے لئے ایک علیحدہ کتاب درکار ہوگی۔ غرض آج بنکوں اور مالیاتی اداروں کے ملازمین ایک طرف تو معاشرہ کے دیگر طبقات کی طرح روز افزوں مہنگائی کے ہاتھوں مستقل عذاب میں مبتلا ہیں تو دوسری جانب بیوروکریسی سرخ فیتہ، انتقامی کارروائیوں، تنخواہوں کے غیر معیاری منجمد اسکیلز اور ناکافی سہولتوں نے ان پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔

کچھ سچ کچھ جھوٹ

قصّہ ایک تقریر کا

امر جلیل

ایک محکمے کے افسر اعلیٰ (بنام ٹی ڈی کے) کسی جگہ محفل مشاعرہ کا افتتاح کرنے گئے۔ عبدالقدوس نے مؤدبانہ انداز میں افسر اعلیٰ کو تحریر کردہ افتتاحی تقریر کی فائل پیش کی۔ افسر اعلیٰ کی گردن میں تکلیف نہ تھی۔ ان کی گردن روایتی بیوروکریٹوں کی گردن کی طرح تنی ہوئی تھی۔ انہوں نے پنڈال میں بیٹھے ہوئے ادیبوں اور شاعروں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی اور پھر وہ لکھی ہوئی افتتاحی تقریر کمال بے نیازی سے پڑھنے لگے۔ ان کی تقریر کا لب و لباب کچھ اس طرح تھا: "مویشیوں کی افزائش کا مسئلہ پاکستان کا اہم ترین مسئلہ ہے۔ یہ ہمارے لیے قابل ستائش بات ہے کہ ملک کے نامور جانور یہاں موجود ہیں۔ صحت مند سانڈ، بیل اور گھوڑے دیکھ کر میں بے حد متاثر ہوا ہوں۔"

آپ سے بارہا میں نے اپنے دوست عبدالقدوس کا ذکر کیا ہے لیکن آج تک آپ کو واضح طور پر یہ بتانے سے قاصر رہا ہوں کہ عبدالقدوس کرتا کیا ہے۔ یہ کہ اس کا پیشہ کیا ہے! عبدالقدوس کا پیشہ نہایت شریفانہ ہے۔ وہ نہ تو پی این اے کی حمایت کی حامی بھرتا ہے اور نہ پیپلز پارٹی کی حمایت کا داعی ہے۔ وہ صرف حمایت علی شاعر کی شاعری سے مستفیض ہونے کی حامی بھرتا ہے۔ خاص طور پر حمایت علی شاعر کی وہ غزل جس میں پیسوں کا ذکر ہے۔ "جو پیسہ ہم بچاتے ہیں وطن کے کام آتا ہے"۔ حمایت علی شاعر کی وہ غزل عبدالقدوس کو اس لیے بھی پسند ہے کہ وہ غزل مہناز نے گائی ہے اور مہناز اپنی غذا کے اخراجات میں کمی کرتے کرتے دبلی ہوتی جا رہی ہے۔ حمایت علی شاعر کی وہ غزل مہناز کے لیے ڈائٹنگ کا سبب بن گئی ہے۔ اور مہناز کی ڈائٹنگ سے جو پیسہ بچتا ہے وہ وطن کے کام آتا ہے۔

میرا دوست عبدالقدوس حمایت علی شاعر کی شاعری سے مستفیض ہونے کے علاوہ اپنے محکمے کے افسر اعلیٰ کے لیے تقاریر بھی لکھتا ہے۔ آپ کو میری بات مبالغہ آمیز محسوس ہوتی ہوگی۔ لیکن خدا جانتا ہے کہ میں نے راست گوئی سے کام لیا ہے۔ صرف میرا دوست عبدالقدوس ہی نہیں کئی ایک محکموں کے کئی ایک عبدالقدوس اپنے اپنے محکمہ کے افسران اعلیٰ کے لیے تقاریر تحریر کرتے ہیں۔ میں یہ کہنے کی جسارت بلکہ گستاخی تو نہیں کر سکتا کہ بغدادی محکموں کے بغدادی افسران اعلیٰ تقاریر نہیں لکھ سکتے۔ اوّل تو یہ کہ تقریر لکھی نہیں جاتی، کی جاتی ہے لیکن بیسویں صدی میں تقریر کی نہیں جاتی تقریر پڑھی جاتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ اب لکھی لفراط کی ضرورت باقی نہیں ہی یہ صدی بروٹسوں اور میر جعفروں کی صدی ہے۔ موجودہ صدی کی تیسری چوتھائی میں افسر اعلیٰ بہت مصروف رہنے لگے ہیں۔ ان کو سر کھجانے کی فرصت نہیں ملتی! اتنی مصروفیت کے پیش نظر کئی ایک افسران سر سے فارغ البال ہو گئے ہیں خاص طور پر اسلام آباد کے افسران اعلیٰ بہت زیادہ مصروف رہتے ہیں۔ ابھی لنچ کے دوران کسی اہم مسئلے پر غور کیا جا رہا ہے کہ شام کی چائے کا وقت ہو جاتا ہے۔ اسی ہوٹل یا ریستوراں میں اگر چائے کا اہتمام کیا گیا ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ ان کو کسی اور ریستوراں یا کلب میں جانے کی زحمت اٹھانی پڑتی ہے اور پھر چائے کے دوران اہم مسئلوں پر غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ ابھی چائے سے فارغ نہیں ہوئے کہ ڈنر کا وقت سر پر آن پڑا ہے۔ ڈنر پر بھی اہم مسئلوں پر سوچا جا رہا ہے! بہت مصروف رہتے ہیں یہ لوگ۔ لہٰذا اتنی مصروفیت کے دوران مختلف تقاریب کے لیے تقاریر تیار کرنا کوئی مذاق تو نہیں ہے! وہ اگر اس قدر مصروف نہ رہتے تو خدا جانتا ہے یہ افسران اعلیٰ استنے ذہین قابل اور لائق ہوتے ہیں کہ ایک چھوڑ کئی تقریریں لکھ ڈالیں۔ بس ان کو فرصت نہیں ملتی۔

عبدالقدوس جس محکمے میں ملازم ہے اس محکمے کا افسر اعلیٰ بہت مصروف رہتا ہے۔ اس کو آئے دن کئی ایک تقاریب میں بطور مہمان خصوصی جانا پڑتا ہے لہٰذا عبدالقدوس کے فرائض میں ایک فرض یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے محکمے کے افسر اعلیٰ کے لیے تقریر لکھے۔ پاکستان میں افسران کو یار لوگ مختلف تقاریب میں بغیر کسی پس و پیش کے مدعو کرتے ہیں اور ان سے ایک عدد تقریر کی امید وابستہ کرتے ہیں۔ لہٰذا ہوتا یہ ہے کہ جغرافیہ کے ماہر افسر کو کبھی دینیات پر تقریر کرنی پڑتی ہے اور طبیعات کے ماہر افسر کو موسیقی پر تقریر کرنی پڑتی ہے اور لسانیات کے ماہر افسر کو ٹیکنالوجی پر تقریر کرنی پڑتی ہے۔ عبدالقدوس دنیا کے ہر موضوع پر تقریر لکھنے کے لیے مواد سے لیس رہتا ہے۔

ایک روز عبدالقدوس ہانپتا ہوا میرے پاس آیا۔ اس نے پوچھا "جانوروں کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

"کیسے جانور!" میں نے پوچھا۔ "گرامر استعمال کرنے والے جانور یا گھاس کھانے والے جانور یا چیر پھاڑ کرنے والے جانور!"

"زنگیلا خدا کے فضل سے ابھی بقید حیات ہے"۔ عبدالقدوس نے کہا۔ "تم مسخرے پن سے باز آجاؤ اور میری بات کا جواب دو کہ جانوروں کے بارے میں کیا جانتے ہو؟"

میں نے کہا "میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتا عبدالقدوس"۔

"ڈمپل ڈسوزا نہ جانے تمہاری کس ادا پر مرمٹی ہے"۔ عبدالقدوس نے غصّے سے کہا۔ "ورنہ تم دو ٹکے کے آدمی ہو"۔

"انسان کی پیدائش کے لیے دو ٹکے بہت ہوتے ہیں"۔ میں نے کہا "خون سستا اور پانی مہنگا ہو گیا ہے عبدالقدوس"۔

"دیکھو" عبدالقدوس نے مجھے بازو سے تھامتے ہوئے کہا۔ "کل ٹی ڈی کے صاحب کو مویشیوں کی افزائش نسل کے سلسلے میں ایک سیمینار کا افتتاح کرنا ہے۔ لہٰذا مجھے ان کے لیے جانوروں سے متعلق ایک تقریر لکھنی ہے۔ خدا کے لیے میری مدد کرو"۔

میں نے کہا "ہم یوں کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں کسی پولیس والے سے مدد لیتے ہیں"۔

"وہ کس لیے!" عبدالقدوس نے حیرت سے پوچھا۔ میں نے کہا "اس لیے کہ پولیس کا ہے فرض مدد آپ کی"۔

اس سے پہلے کہ عبدالقدوس میرا سر پھوڑ ڈالتا ہمارا جگری یار فقیر محمد کالو کہیں سے آن دھمکا۔ اس نے عبدالقدوس کے چہرے کے تیور دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیوں بے عبدالقدوس! تو جنگلی بھینسے کی طرح کیوں دکھائی دے رہا ہے"۔

عبدالقدوس نے لپک کر کالو کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا۔ "لگتا ہے تو جانوروں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہے کالو۔ خدا کے لیے مجھے جانوروں کے بارے میں کچھ بتا۔ میں ٹی ڈی کے صاحب کے لیے ایک عدد تقریر لکھ رہا ہوں"۔

فقیر محمد کالو نے مویشیوں کے بارے میں ایک پُر مغز نیم فلسفیانہ تقریر عبدالقدوس کو لکھا دی لیکن وہ تقریر عبدالقدوس کو بھاری پڑی اور اس کا ایکسیلینیشن ہو گیا۔ ہوا یوں کہ ٹی ڈی کے صاحب کو یکے بعد دیگرے دو تقاریب میں تقریریں کرنی تھیں۔ ایک تقریر مویشیوں کی افزائش نسل کے سیمینار میں اور دوسری محفل مشاعرہ میں۔ عبدالقدوس نے بدحواسی کے عالم میں محفل مشاعرہ میں ٹی ڈی کے صاحب کو جانوروں والی تقریر ہاتھ میں تھما دی اور ٹی ڈی کے صاحب جوش خطابت میں وہ تقریر پڑھ گئے۔

ریشمی رومال تحریک

۲

ڈاکٹر احمد حسین کمال

پنجاب 28 افراد کو پھانسی کی سزا سنا دی گئی

بلا وارنٹ اور وجہ بتائے بغیر مشکوک اشخاص کی گرفتاریاں

رولٹ کمیٹی کی یہ رپورٹ ۱۹۱۶ء میں شائع کی گئی اور رولٹ ایکٹ لیجسلیٹو اسمبلی میں پیش کیا گیا۔ رپورٹ کافی ضخیم اور دلچسپ ہے۔ اس کا ایک باب "ہندوستانی مذہبی مجنوں" کے عنوان پر مشتمل ہے اور اس باب میں "ریشمی رومال تحریک" کا بھی ذکر ہے۔ اس لئے میں اس باب کے ہی متعلقہ حصے یہاں نقل کرتا ہوں۔ باب کے شروع میں سید احمد شہید اور اسماعیل شہید کی تحریک جہاد کا ذکر ہے اور اس غلطی پر افسوس کا اظہار کیا گیا ہے کہ کسی سخت قانون کے ذریعے بروقت کارروائی نہ کر کے اس تحریک کے اثرات بڑھنے کا موقع دیا گیا اور پھر بتایا گیا ہے کہ۔

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہیے کہ اگر یہ قانون اس سازش کے وقت تیار کر کے استعمال کر لیا جاتا جس کا نتیجہ ۱۸۸۵ء کی سازش اور اس کی تحقیقات کی صورت میں نکلا تو برطانوی ہند کو ۱۸۶۳ء میں دبا ہوں کے ساتھ جنگ میں ملوث نہ ہونا پڑتا۔ اگر بروقت سرغنہ افراد گرفتار کر لئے جاتے تو درہ امبیلا میں ایک ہزار انگریز فوجیوں کی جانیں ضائع نہ ہوتیں اور لاکھوں پونڈ اخراجات کا بار نہ اٹھانا پڑتا۔ اس جنگ کے بعد ۱۸۶۴ء کے مقدمے میں جس سازش کا انکشاف ہوا تھا۔ اگر حکام سخت قانونی اقدامات کر لیتے تو ہم ۱۸۶۸ء کی "کوہِ سیاہ" کی مہم کے نقصانات سے بھی بچ سکتے تھے۔ اب اگست ۱۹۱۶ء میں ایک اور سازش کا انکشاف ہوا ہے، جسے ہم "ریشمی خطوط" کی سازش کا نام دیں گے یہ سازش اگر قبل از وقت ہمارے علم میں نہ آ جاتی، تو اندیشہ تھا کہ اس سازش کے بروئے کار آ جانے اور کامیاب ہو جانے کے نتیجہ میں پوری سلطنت برطانیہ تباہی کا نشانہ بن سکتی تھی۔"

"اس سازش کا منصوبہ تیار کرنے والے دو شخص ہیں۔ ایک کا نام مولوی عبیداللہ ہے اور دوسرے کا نام ابوالکلام ہے۔ منصوبہ یہ تھا کہ شمال مغرب کی طرف سے ایک زبردست حملہ ہو اور اندرون ملک جگہ جگہ مسلمان بغاوت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں اس تجویز کا منصوبہ لے کر مولوی عبیداللہ اپنے دو ساتھیوں، فتح محمد اور محمد علی کو لے کر اگست ۱۹۱۵ء میں شمال مغربی سرحد سے باہر نکل گیا۔"

مولوی عبیداللہ سکھ سے مسلمان ہوا تھا۔ دیوبند کے مذہبی مدرسہ میں اس نے مولوی کی تعلیم پائی۔ وہاں اس نے انگریزوں کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے بہت سے طلبہ کو اپنا ہم نوا بنا لیا اور دیوبند کے ہیڈ مولوی محمود الحسن کو بھی اپنا ہم خیال کر لیا۔ ابوالکلام کے مشورہ سے مولوی عبیداللہ کی سکیم یہ تھی کہ دیوبند کے مشہور مدرسہ کے تعلیم یافتہ مولویوں

"اگست ۱۹۱۵ء میں عبیداللہ اپنے ساتھیوں سمیت سرحد پار چلا گیا اور ستمبر ۱۹۱۵ء میں اپنے چند دوستوں کو لے کر محمود الحسن عرب کے صوبے حجاز پہنچ گئے تاکہ
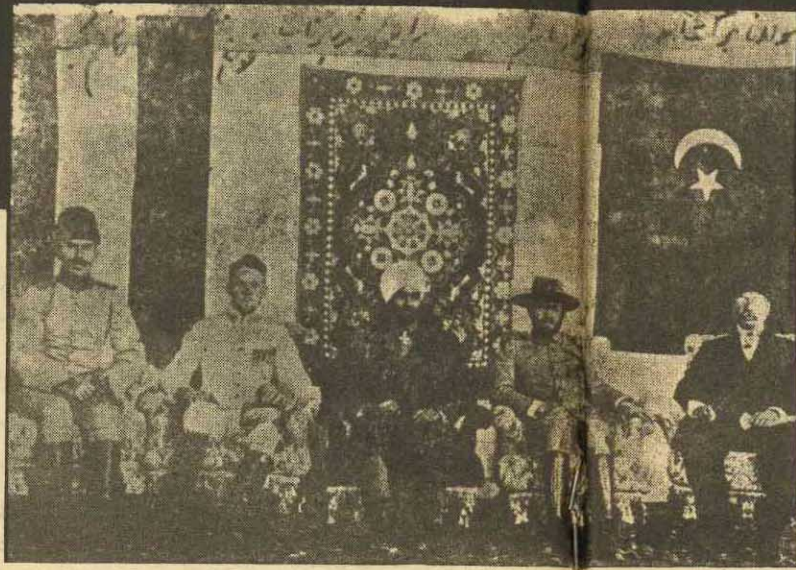
کی رفاقت سے پورے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جذبات بھڑکائے جائیں اور ابوالکلام کی کوششوں سے بنگال کے انقلابی اور ہندوستان کے ہندو لیڈر بھی اس تحریک میں شامل ہو جائیں۔"

"عبیداللہ کی ان حرکات سے دیوبند مدرسہ کے سرپرست ناراض ہو گئے اور اسے وہاں کی ملازمت سے نکال دیا گیا۔ تاہم یہ ثبوت مل چکا ہے کہ وہ اس کے بعد بھی دیوبند آتا رہا اور مولانا محمود الحسن سے خفیہ طور پر ملتا رہا۔ بلکہ محمود الحسن کے مکان پر خفیہ اجلاس ہوتے رہے۔ ان اجلاسوں میں سرحد سے بھی لوگ آ کر شامل ہوتے۔"

طالب علم، میجر جنرل، کرنل اور لیفٹیننٹ کرنل بنا دیئے گئے

وہاں بیٹھ کر اس سازش کے منصوبہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لئے مولوی عبیداللہ نے سرحد پار جا کر جو کارروائیاں کیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اولاً سرحد پار وہ ان مذہبی دیوانوں سے ملے جو آئے دن برطانوی ہند کی سرحدوں پر حملے کرتے رہتے تھے، اور انہیں اپنا پروگرام بتایا۔

۲۔ وہاں سے وہ کابل پہنچا۔ اور کابل میں مقیم ترکی اور جرمنی کے مشنوں کے ممبران سے ملا۔ بعد میں اس کا ایک اور دیوبندی دوست مولوی محمد میاں انصاری بھی اس کے پاس آ گیا۔ یہ آدمی محمود الحسن کے ساتھ عرب گیا تھا اور وہاں سے وہ اعلان جہاد لے کر مولوی عبیداللہ کے پاس آیا تھا جو حجاز کے ترکی فوجی حاکم "غالب پاشا" نے مولوی محمود الحسن کے ایماء پر انہیں لکھ کر دیا تھا۔ محمد میاں اس اعلانِ جہاد کی نقول ہندوستان اور سرحدی علاقوں میں تقسیم کرتا ہوا کابل مولوی عبیداللہ کے پاس پہنچا۔ عبیداللہ اور اس کے ساتھیوں نے برطانوی سلطنت کو ختم کرنے کے منصوبہ کے ساتھ ایک عارضی حکومت بھی کابل میں تشکیل دی۔ تاکہ جب برطانوی سلطنت کا خاتمہ ہو جائے تو یہ حکومت اس کی جگہ لے لے۔"

"ایک شخص مہندر پرتاب سنگھ کو اس عارضی حکومت ہند کا صدر مقرر کیا گیا۔ یہ اچھے خاندان کا ایک ہندو ہے ۱۹۱۴ء میں فرانس وغیرہ کے سفر پر گیا۔ وہاں سے جنیوا گیا اور ہردیال سے ملا۔ ہردیال غدر پارٹی کا کارکن تھا اس نے مہندر پرتاب سنگھ کو جرمن قونصل سے ملایا اور اسے جرمنی بھیج دیا اس طرح مہندر پرتاب سنگھ انگریزوں کے مخالف کیمپ میں شامل ہو گیا۔ اس عارضی حکومت ہند کی کابینہ میں مولوی برکت اللہ بھوپالی اور خود مولوی عبیداللہ شامل ہو گئے۔"

"مولوی برکت اللہ ۱۹۱۰ء میں ہندوستان سے چلا گیا تھا اور غدر پارٹی میں شامل ہو گیا تھا۔"

"مولوی عبیداللہ یا بالفاظ صحیح ہندوستان کی عارضی حکومت نے ہندوستان میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ اور عرب میں محمود الحسن اور ان کے رفیقوں کے ساتھ رابطہ اور باہمی نامہ و پیام کا جو طریقہ اختیار کیا وہ مرموز الفاظ میں بصورت نقش و نگار زرد ریشمی کپڑے پر کڑھے ہوئے ہوتے تھے۔ ہندوستان میں ان خطوط کو ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنے اور عرب تک پہنچانے کی ذمہ داری ایک شخص شیخ عبدالرحیم سندھی کی تھی جو ابھی مفرور الخبر ہے۔"

"ریشمی کپڑے پر مرموز الفاظ میں لکھے ہوئے جو خطوط ہمارے ہاتھ لگے ہیں ان سے معلوم ہوا کہ

۱۔ مدینہ کو ہیڈ کوارٹر مقرر کیا گیا تھا جس کا جنرل انچیف محمود الحسن بنایا گیا۔

۲۔ خدائی فوج (حزب اللہ) کے نام سے ہندوستان میں مسلمانوں کو، ابوالکلام کی قیادت و امامت میں منظم کیا جا رہا تھا۔

۳۔ دوسرے ہیڈ کوارٹر تہران، کابل اور قسطنطنیہ میں تھے۔ ہندوستان میں بہت سے مقامات پر سب ہیڈ کوارٹر بنائے گئے تھے۔ جن میں کراچی، پیر جو گوٹھ، امروٹ، دین پور مانسہرہ۔ لاہور۔ لدھیانہ، رائے پور، بہار شریف۔ رانچی بنگلور وغیرہ مقامات تھے، ان کے علاوہ بھی بہت سے مقامات ہوں گے جن کا علم اب تک نہیں ہو سکا ہے۔"

"جو فوجی منصوبہ بنایا گیا تھا۔ اس میں ۳ سرپرست ۱۲ فیلڈ مارشل اور متعدد اعلیٰ فوجی افسران شامل تھے۔ لاہور سے فرار ہو جانے والے طالب علموں میں سے کسی کو میجر جنرل۔ کسی کو کرنل اور کسی کو لیفٹیننٹ کرنل مقرر کیا گیا۔"

"یہ خطوط جب ہمارے ہاتھ لگے تو ان کی روشنی میں بعض تدارکی اقدامات فوری طور پر عمل میں لائے گئے۔ شریف مکہ کے تعاون سے دسمبر ۱۹۱۶ء میں مولوی محمود الحسن کو ان کے چار ساتھیوں سمیت برطانیہ کی حراست میں لے لیا گیا۔ ہندوستان میں دفعتاً سب ہیڈ کوارٹروں پر چھاپے مارے گئے اور گرفتاریاں عمل میں لائی گئیں۔ ابوالکلام

ریشمی رومال تحریک کے سرغنہ کون تھے

کو ...کی میں نہ بند کر دیا گیا اس طرح بروقت کارروائی کے ذریعے اس خطرناک سازش پر قابو پا لیا گیا اور اب آئندہ ایسی سازشوں کے امکان ختم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایک سخت قانون کے ذریعے حکومت کو بلاوارنٹ اور وجہ بتائے بغیر ہر مشکوک شخص کو گرفتار کرنے اور حراست میں رکھنے کے کلی اختیارات حاصل ہونے چاہئیں۔"

یہ ہے رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کے اس باب کا خلاصہ جس میں "ریشمی رومال تحریک" کا ذکر ہے اور ریشمی رومال تحریک کس سلسلہ کی کڑی تھی۔ اس کی تفصیل میں گزشتہ قسط میں بیان کر چکا ہوں لیکن رولٹ کمیٹی کی رپورٹ میں اس تحریک سے متعلق جو کچھ بتایا گیا ہے وہ بہت ناکافی اور نامکمل ہے۔

رولٹ ایکٹ کے نفاذ کے ذریعے انگریز حکومت نے بظاہر آزادی کے اس خفیہ منصوبہ کو ناکام بنا دیا اس ایکٹ کے ذریعے جو قانون بنایا گیا اس کا نام، "ڈیفنس آف انڈیا" رکھا گیا۔ اور اس کے ذریعے ہزارہا افراد گرفتار کر لئے گئے۔ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق سینکڑوں افراد تختہ دار پر لٹکائے گئے۔ ایک سو آدمی کالے پانی بھیج دیئے گئے۔ چار ہزار کے قریب افراد کو لمبی سزائیں دی گئیں۔ صرف صوبہ پنجاب میں ۲۸ آدمی پھانسی پر لٹکائے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ اس سیاہ قانون کے ذریعے جس وسیع پیمانے پر گرفتاریاں، سزائیں، پھانسیاں اور کالے پانی کی جلاوطنیاں عمل میں آئیں۔ ان کی مکمل تعداد ابھی تک سامنے نہیں آئی ہے۔ ہنٹر کمیٹی کی رپورٹ میں جستہ جستہ واقعات کا بہت ہی محدود ذکر ملتا ہے جس سے مندرجہ بالا تعداد کا اندازہ ہوتا ہے ورنہ یہ تعداد حقیقت میں کئی گنا ہو سکتی ہے اس ایکٹ کا سب سے بڑا نشانہ مسلمان عوام بنے، پھر سکھ عوام اور کچھ ہندو عوام۔ ان میں بہت بڑی تعداد کسانوں کی تھی، مسلمان کسان، سکھ کسان اور ہندو کسان۔

رولٹ کمیٹی کی رپورٹ کی روشنی میں "ریشمی رومال تحریک" کا حال آپ نے پڑھ لیا۔ اب اس کی کچھ تفصیل انڈیا آفس کے ریکارڈ سے جو پچاس سال بعد عام مطالعہ کے لئے کھول دیا گیا ہے، تحریر کرتا ہوں۔

"فارن ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے' وائسرائے ہند نے ستمبر ۱۹۱۶ء کو برطانوی وزیر ہند کو مطلع کیا کہ مولوی عبیداللہ نے کابل سے محمود حسن کے نام مدینہ (حجاز) خط تحریر کیا تھا وہ جولائی میں قاصد کے قبضہ سے حکام نے حاصل کر لیا ہے۔ عبیداللہ ایک ہندوستانی باغی ہے اور کابل چلا گیا ہے۔ وہاں اس نے جرمن مشن سے اپنا تعلق قائم کر رکھا ہے۔ محمود حسن مدرسہ دیوبند سے تعلق رکھتا ہے وہ ستمبر ۱۹۱۵ء میں حجاز چلا گیا اور وہاں بیٹھ کر غداروں کی سرپرستی کر رہا ہے۔ خط کے مندرجات سے ظاہر ہوا ہے کہ اس وقت یہ لوگ ایک تو "جنود ربانیہ" کے نام سے' مسلمان عوام کی فوج بنا رہے ہیں اور اس میں ۱۱ فیلڈ مارشل مقرر کئے گئے ہیں۔ دوسرے ان لوگوں نے ایک عارضی حکومت ہند تشکیل دی ہے جس کا صدر راجہ مہندر پرتاب سنگھ ہے وزیر اعظم مولوی برکت اللہ بھوپالی ہے اور وزیر ہند مولوی عبیداللہ ہے۔"

"یہ لوگ امیر کابل کو جہاد میں شامل ہونے کی دعوت دے چکے ہیں۔ روس کو ایک سفارت بھیج چکے ہیں۔ ایران ایک سفارت روانہ کر دی گئی ہے اور جاپان کے لئے ایک سفارت بھیجی جا رہی ہے۔ برلن ایک سفارت جا رہی ہے۔ ہندوستان کے والیان ریاست کے پاس ایک سفارت بھیجنے کا انتظام کر لیا گیا ہے۔ ترکی کے ساتھ تعلقات پیدا کئے جا رہے ہیں۔ خطوط اور دوسری اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ سازش بالکل تیار ہے۔ کابل میں سرگرمیاں جاری ہیں۔ سازش کی جڑیں ہندوستان سے عرب تک پھیلی ہوتی ہیں۔ اگر فوراً روک تھام نہیں کی گئی تو خطرناک نتائج کا اندیشہ ہے۔"

"معلوم ہوا ہے کہ امیر نصراللہ ہمارے خلاف ہو گیا ہے ہم ہندوستان میں ایک ہی وقت میں شمال مغربی سرحدی صوبہ سے لے کر پنجاب، دلی، سندھ، بنگال بہار وغیرہ کے مقامات پر اچانک چھاپے مار کر ملوث افراد کی گرفتاری کا انتظام کر رہے ہیں۔ ہمیں معلوم ہوا ہے کہ روسی ترکستان جو سفارت گئی تھی' اس میں متھرا داس "شمشیر سنگھ" کے نام سے شامل تھا۔ عبدالقادر خاں اور اس کے ساتھی دوسرے طلباء جو پنجاب یونیورسٹی میں پڑھ رہے تھے۔ ان باغیوں کے ایماء سے مختلف سفارتوں میں شامل ہو کر اب روس پہنچ گئے ہیں۔ ان کی حوالگی کے لئے حکومت روس پر دباؤ ڈالنا ضروری ہے۔"

"ڈاکٹر انصاری کا ذکر بھی ان پکڑے ہوئے خطوط میں ملتا ہے یہ شخص جنگ بلقان کے موقعے پر ایک وفد لے کر قسطنطنیہ گیا تھا۔ اس وقت سے اس کے تعلقات ترکی کی انجمن اتحاد و ترقی کے ساتھ قائم چلے آ رہے ہیں۔ حکام فی الوقت اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتے۔"

"اس تحریک میں بہت دور تک کے لوگ شامل کئے جا چکے ہیں۔ مصر کے شیخ شاویش۔ پشاور کے حاجی ترنگ زئی۔ قبائلی علاقے کے بابڑ ملا۔ جان محمد آف کوہستان۔ یوسف زئی قبائل کے علاقے میں واقع ہندوستانی مہاجرین کی بستی جو سید احمد شہید کی تحریک کے وقت سے وہاں قائم چلی آ رہی ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مولانا عبدالباری۔ مولانا محمد علی۔ مولانا شوکت علی اور مولانا ظفر علی کا بھی کچھ نہ کچھ تعلق اس تحریک کے ساتھ ہے اور آخرالذکر تینوں کو نظربند کر دیا گیا ہے۔ بلوچستان میں شورش پھیلانے کا انتظام بہاول پور کے غلام محمد (دین پور) کے ذمے تھا' اسے بھی گرفتار کر لیا گیا ہے۔"

ریشمی خطوط کس طرح حکومت برطانیہ کے ہاتھ لگے

۱۴ اگست ۱۹۱۹ء کو ملتان کے خان بہادر رب نواز نے ملتان ڈویژن کے کمشنر کو زرد ریشمی کپڑے کے تین ٹکڑے دکھائے۔ ان ٹکڑوں پر جو تحریر درج تھی کمشنر نے اسے پڑھوا کر سنا اور پنجاب سی، آئی ڈی کے سربراہ مسٹر ٹومکنس کے حوالہ کر دیئے۔ یہ خطوط زرد رنگ کے تین ٹکڑوں پر درج ہیں۔ پہلا خط عبدالرحیم سندھی کے نام ہے۔ دوسرا خط مدینہ مولوی محمود حسن کو بھیجنے کے لئے ہے، تیسرا خط کسی ہندوستانی مسلمان رہنما غالباً ابوالکلام یا ڈاکٹر انصاری کے نام ہے تینوں خطوط پر عبیداللہ سندھی کے دستخط ہیں۔"

"خان بہادر رب نواز کو یہ خطوط، عبدالحق نامی ایک شخص نے دیئے۔ غالباً کسی بات سے نہایت خوفزدہ ہو کر اس نے یہ خطوط اپنے آقا کو پیش کر دیئے جن کے ساتھ وہ کابل کے سفر پر گیا تھا۔ عبدالحق ایک عرصہ سے یہ کام انجام دے رہا تھا، سی آئی ڈی کی مزید تفتیش

اور جرح کے بعد اس نے اس سازش میں ملوث جن افراد کے نام اور مقامات بتائے وہ درج ذیل ہیں۔

صوبہ سندھ کے افراد : شیخ عبدالرحیم حیدرآباد، حکیم عبدالقیوم حیدرآباد۔ عبداللہ آف حیدرآباد۔ فتح محمد حیدرآباد، محمد میاں منصور سندھی۔

صوبہ پنجاب کے افراد : غلام محمد دین پور (ریاست بہاول پور) عبدالقادر، داماد غلام محمد۔ عبداللہ فتح محمد محمد علی۔ عبیداللہ کا بھتیجا۔ احمد علی۔ محمد علی کا بھائی۔ مولوی احمد لاہوری۔ مولوی حمید اللہ پانی پت۔

پشاور کے افراد : محمد اسلم انگریزی دوا فروش سالک خاں۔

یوپی کے افراد : مدرسہ دیوبند اور مدرسہ سہارنپور کے اکثر مولوی صاحبان۔ مولوی خلیل احمد۔

بہار و اڑیسہ : ڈاکٹر صدر الدین۔

"محمود حسن نے عرب روانہ ہونے سے پہلے ابوالکلام آزاد سے مشورہ کیا۔ محمود حسن نے مدینہ میں ترکی کے وزیر جنگ انور پاشا کے ایلچی سے ملاقات کی۔"

یہ سی، آئی، ڈی کی رپورٹوں کا ایک مختصر خلاصہ ہے۔ ان رپورٹوں کی بنیاد پر حکومت برطانیہ نے ملک معظم کے نام سے ایک خفیہ استغاثہ، ان لوگوں کے خلاف تیار کیا جو ریشمی رومال تحریک کے بانیان و ارکان کہے جاتے ہیں۔

استغاثہ میں سب سے پہلے سلسلۂ واقعات بیان کیا گیا جو اس طرح ہے۔

۱۔ "۱۹۰۹ء میں عبیداللہ نے دیوبند میں جمعیتہ الانصار بنائی۔

۲۔ ستمبر ۱۹۱۱ء میں جنگ طرابلس شروع ہوئی۔

۳۔ ۱۹۱۲ء میں ابوالکلام آزاد نے، جمعیت حزب اللہ قائم کی۔

۴۔ اگست ۱۹۱۳ء میں دوسری جنگ بلقان ختم ہوئی، اس سے پہلے اکتوبر ۱۹۱۲ء میں جنگ طرابلس ختم ہو گئی تھی۔

۵۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں عبیداللہ نے دلی میں نظارۃ المعارف قائم کیا۔

۶۔ فروری ۱۹۱۴ء میں لاہور کے پنجابی طلبہ نے سرحد پار کرلی۔

۷۔ نومبر ۱۹۱۴ء میں ترکی کے خلاف برطانیہ نے اعلان جنگ کر دیا۔

۸۔ جون ۱۹۱۵ء میں محمود الحسن نے دیوبند کے چند علما کو سرحدی قبائل بھیج دیا۔

۹۔ اگست ۱۹۱۵ء میں ابوالکلام آزاد نے کلکتہ میں دارالارشاد کھولا۔

۱۰۔ اگست ۱۹۱۵ء میں مہمند اور دوسرے قبائل نے سرحد پر لڑائی شروع کر دی۔

۱۱۔ اگست ۱۹۱۵ء میں عبیداللہ سندھی ہندوستان سے آزاد علاقہ کی طرف خفیہ طور پر چلا گیا۔

۱۲۔ اسی ماہ مہندر پرتاب اور برکت اللہ ایک مشن لے کر کابل پہنچے۔

۱۳۔ ۱۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کو ابوالکلام نے صدرالدین کو قبائلی مجاہدین کے پاس روانہ کیا۔

۱۴۔ اسی ماہ محمود الحسن اور اس کے ساتھی ہندوستان سے حجاز کے لئے چل دیتے۔

۱۵۔ نومبر ۱۹۱۵ء میں مطلوب الرحمان حجاز سے کوئی پیغام لے کر ہندوستان واپس آیا۔

انگریز سے مقابلے

کے لئے خدائی فوج

قائم کی گئی

۱۶۔ فروری ۱۹۱۶ء میں فضل الرحمان نے برکت اللہ کا خط اور جہاد کا فتویٰ مولانا حبیب الرحمان کو علی گڑھ پہنچایا۔

۱۷۔ اپریل ۱۹۱۶ء میں محمد میاں غالب پاشا کا فرمان لے کر سرحدی قبائل چلا گیا۔

۱۸۔ ۹ اور ۱۰ جولائی ۱۹۱۶ء کو عبیداللہ اور محمد میاں نے ریشمی خطوط لکھ کر ہندوستان اور عرب روانہ کئے۔

۱۹۔ ۱۵ اگست ۱۹۱۶ء کو عبدالحق کو ملتان میں ریشمی خطوط سمیت گرفتار کر لیا گیا۔

۲۰۔ ستمبر ۱۹۱۶ء میں سازش میں ملوث ہندوستان میں موجود بیشتر افراد کو اچانک گرفتار کر لیا گیا اور بہت سے مقامات کی تلاشیاں لیں۔

۲۱۔ اسی ماہ عبدالرزاق نے مسعود کو روپیہ دے کر محمود حسن کے پاس مکہ بھیجا۔

۲۲۔ دسمبر ۱۹۱۶ء کو جدہ میں محمود حسن اور ان کے ساتھی گرفتار کر لئے گئے۔"

استغاثہ نے واقعات کی مندرجہ بالا فہرست کے ساتھ جو بیان پیش کیا اس میں کہا گیا کہ یکم جنوری ۱۹۱۳ء تا یکم جنوری ۱۹۱۷ء کے درمیان برطانوی ہند کے اندر و باہر حکومت برطانیہ اور افواج برطانیہ کے خلاف مندرجہ ذیل افراد نے سازش تیار کی تاکہ ملک معظم برطانیہ کے اقتدار اعلیٰ کو ختم کر دیں۔ یہ کارروائیاں ضابطۂ فوجداری ہند کی دفعہ ۱۲۱ کے تحت سخت سزا کی مستحق ہیں۔

(۱) عبدالعزیز اتمان زئی پشاور (مفرور) (۲) عبدالباری لائل پور (نظر بند) (۳) عبدالحی گورداس پور (نظر بند) (۴) عبدالحق شیخ عرف جیون داس۔ شاہ پور (زیر حراست اور سلطانی گواہ) (۵) عبدالحق۔ رفاہ عام پریس لاہور (نظر بند) (۶) عبدالمجید خاں (فوت) (۷) عبداللہ سکھر (حراست میں سلطانی گواہ) (۸) عبدالقادر لائل پور (نظر بند) (۹) شیخ عبدالرحیم سندھی۔ حیدرآباد سندھ (مفرور) (۱۰) عبدالرحیم مسجد چینیا والی لاہور (مفرور) (۱۱) عبدالرشید مردان (مفرور) (۱۲) حکیم عبدالرزاق انصاری دہلی (۱۳) عبدالواحد ثانمنڈ [illegible] (۱۴) ابوالکلام آزاد (رانچی میں نظر بند) (۱۵) مولوی احمد۔ چکوال (۱۶) احمد علی۔ (جرانوالہ حراست میں اور سلطانی گواہ) (۱۷) احمد [illegible]۔ سہارنپور (سلطانی گواہ) (۱۸) اللہ نواز خاں۔ ملتان (مفرور) (۱۹) [illegible] احمد علی گڑھ (۲۰) عزیز گل۔ (درگئی) [illegible] (۲۱) مولوی برکت اللہ بھوپالی (مفرور) (۲۲) فتح محمد سندھی (مفرور) (۲۳) حسرت موہانی (کانپور) (قید) (۲۴) مولوی فضل الٰہی وزیر آباد (مفرور) (۲۵) مولوی فضل محمود چہارسدہ (مفرور) (۲۶) مولوی فضل ربی (پشاور مفرور) (۲۷) حاجی ترنگ زئی۔ سرحد (مفرور) (۲۸) غازی حبیب اللہ کاکوری ضلع لکھنؤ (مفرور) (۲۹) ہادی حسن۔ [illegible] (۳۰) مولوی حمداللہ پانی پت (۳۱) مولوی حسین احمد مدنی [illegible] آباد (کالے پانی میں نظر بند) (۳۲) ابراہیم سندھی (مفرور) (۳۳) کالا سنگھ لدھیانہ (مفرور) (۳۴) خوشی محمد جالندھر (مفرور) (۳۵) حاجی خان محمد پشاور (فوت) (۳۶) مہندر پرتاب سنگھ۔ یوپی (مفرور) (۳۷) محمود الحسن۔ دیوبند (نظر بند کالا پانی) (۳۸) مطلوب الرحمان دیوبند (ملازم ایجوکیشنل

(باقی ص ۳۸ پر)

چھوٹا منہ بڑی بات

ابوضیا اقبال

جناب احمد ندیم قاسمی نے روزنامہ "جنگ" میں بقول ان کے ہلکی پھلکی گفتگو کے شگفتہ کالم "موج در موج" کا آغاز اس کالم کے تعارف سے کیا ہے۔ فرماتے ہیں "ہماری قوم مسکرانا بھولتی جا رہی ہے۔ وہ کرے بھی کیا انسان یونہی ارتجالاً تو نہیں مسکراتا ہر مسکراہٹ کا ایک سبب ہوتا ہے۔ اور ان اسباب کا فقدان ہو چلا ہے"۔ قاسمی صاحب عمر کے اعتبار سے بہت زیادہ نہیں لیکن ادبی مقام کے لحاظ سے بہت زیادہ بزرگ ہیں اور ان کا ہر لفظ بھرپور معنویت اور مقصدیت لیے ہوتا ہے۔ انہوں نے قوم کی اوقات اور بے بضاعتی کی خود ہی نشان دہی کر دی ہے کہ مسکراہٹ جیسی مفت چیز سے بھی استفادہ کرنے سے بے بہرہ رہ گئی ہے۔ البتہ ان کا یہ کہنا حالاتِ حاضرہ سے عدم واقفیت کی بنا پر ہے کہ مسکراہٹ کے لیے اسباب کا فقدان ہے۔ دراصل فقدان مسائل کا ہے اور کساد بازاری دکھوں کی ہے۔ اس کے برعکس دکھوں کی ارزانی ہے اور یہی وجہ ہے کہ لوگ مسکرانے کی بجائے قہقہے لگاتے ہیں کہ مسکرانا داخلی مسرت کی علامت ہے اور قہقہے لگانا خارجی مسرت کی علامت۔ قاسمی صاحب نے بزرگوں کی روایات کے مطابق بجا طور پر تعمیری منصوبوں کو تکمیل تک پہنچانے، معاشرے کی اصلاح کرنے اور اخلاق سنوارنے کی تلقین کی ہے لیکن دانشوروں کا جو حلیہ دکھایا ہے۔ وہ مراعات یافتہ طبقے کا فنی شاہکار ہے اور اس دور کے نوادرات میں سے ہے۔

یہ انکشافات کا دور ہے۔ کسی دن معلوم ہوتا ہے کہ جسے سونے کی ڈلی سمجھ رہے تھے وہ پیتل کا ٹکڑا ہے۔ کبھی کسی کے خوبصورت بالوں کا راز کھلتا ہے کہ یہ تو وِگ ہے۔ اور کبھی یہ جان کر حیرت ہوتی ہے کہ قاب میں رکھا ہوا خوش رنگ انگوروں کا گچھا دراصل مٹی کا ہے جو سجاوٹ کے لیے ہے۔ اب اس دنا سپتی گھی کو ہی لیجیے جسے اصلی گھی کے متبادل متعارف کرایا تو تمام دلائل و براہین سے ثابت کیا گیا کہ یہ اگر خالص گھی سے بہتر نہیں ہے تو اس سے کمتر بھی نہیں ہے۔ پُرغذائیت وٹامنوں سے بھرپور، آلائش سے پاک صاف اور صحت کے لیے بے حد ضروری۔ سالوں تک لوگ یہی سمجھ کر استعمال کرتے رہے کہ تندرستی کا راز اسی میں ہے لیکن اب ظہور میں آیا ہے کہ یہ گھی بہر صورت مضر صحت ہے تیاری کے دوران اس میں ہائیڈروجن اور نکل استعمال کیا جاتا ہے۔ معدے میں جم جاتا ہے۔ اس میں مصنوعی وٹامن ڈالے جاتے ہیں۔ ہر خاص و عام کی اطلاع کے لیے یہ راز پاکیزہ ڈبّی ٹیبل کے اشتہارات نے طشت از بام کیا ہے۔

---

۲۵ سال قبل کراچی کے روزنامہ "ایوننگ ٹائمز" کے مطابق صوبہ سندھ کے نا اہل اعلیٰ افسروں نے رشوت خوروں کو قانونی شکنجے سے بچانے اور محکمہ انسداد رشوت ستانی کی کوششوں میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ایک خفیہ انجمن بنائی تھی ("جنگ" یکم مارچ) ۲۵ سالوں میں دنیا کہیں سے کہیں پہنچ گئی ہے۔ سیاسیات، معاشیات، اقتصادیات، فلکیات وغیرہ کی طرح جرائم کے میدان میں بھی تکنیک اور نتائج بدل گئے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی جرائم کی تفتیش اور ان کے سدباب کی تکنیک بھی وہ نہیں رہی ہے جو پہلے تھی۔ ہومیو پیتھک طریقہ علاج کے مرض کے جرثومہ کے ذریعہ مرض کی کاٹ کے طریقے کی طرح۔ جرائم کے سدباب کے لیے جرائم کا ارتکاب ضروری ٹھہرا ہے۔ مشہور عالم روسی فتنہ گر راسپوتین کا فلسفہ تھا کہ نجات حاصل کرنے کے لیے اتنے گناہ کرو کہ گناہ کی ضرورت ختم ہو جائے۔ چنانچہ قیاس ہے کہ محکمہ انسداد رشوت ستانی کے حکام بھی رشوت خوروں کی خفیہ تنظیم کے رکن بن گئے ہوں گے اور پورے پچیس سالوں کے دوران انجمن ہذا کے اراکین کی تعداد اتنی زیادہ ہو گئی ہے کہ انجمن میں "رشوت خور" آٹے میں نمک کے برابر اور "انسداد کرنے والے" آٹے کے برابر ہو گئے ہیں اور کوئی دن جاتا ہے کہ رشوت کا قلع قمع ہو جائے گا اور "انسداد" رہ جائے گا۔

اب تک یہ ہوتا رہا ہے کہ مجرم اور ملزم پولیس کے قبضے سے لاپتہ ہو جاتے ہیں لیکن ٹنڈو محمد خاں میں اس کے برعکس ایک تکنیک رونما ہوئی ہے۔ ایک ملزم کو پولیس کی نگرانی میں سکھر لے جایا جا رہا تھا کہ وہ راستے میں سپاہیوں کو چکمہ دے کر فرار ہو گیا۔ وہ تو پکڑا گیا لیکن اس کے نگران سپاہی لاپتہ ہو گئے۔ لگتا ہے کہ ملزم کسی علم باطنیہ کا ماہر ہو گا اور اس نے اپنے عمل کے ذریعہ سپاہیوں کو غائب کر دیا ہو گا۔ لیکن وہ خود دوسروں کی نظروں سے روپوش کیوں نہیں ہو گیا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ عامل لوگ دوسروں کے لیے بہت کچھ کرتے ہیں اور اپنے لیے کچھ نہیں کرتے بے غرضی کی بات ہے صاحب۔ اسی لیے مذکورہ ملزم نے سپاہیوں کو غائب کر دیا کہ وہ عتاب سے بچ جائیں۔

جناب ڈاکٹر سید عبداللہ نے لاہور میں شام ہمدرد کی تقریب سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ وہ انسانوں سے مایوس ہو گئے ہیں کیونکہ تعلیمی ادارے تفریح اور تخریب کے مرکز ہو کر رہ گئے ہیں۔ اور ان اداروں پر ہی مستقبل کا دارومدار ہے۔ ڈاکٹر صاحب سے بڑی معذرت کے ساتھ عرض ہے کہ اس میں انسانوں سے مایوس ہونے کی کیا بات ہے؟ جس کی طرف غالب نے اشارہ کیا ہے کہ ع
آدمی کو بھی میسّر نہیں انساں ہونا — تو وہ انسان جیسا آج ہے ویسا مستقبل میں بھی رہے گا لہٰذا آدمی سے مایوس ہونے کی بات درست ہو سکتی ہے۔ اس کے علاوہ ماضی، حال اور مستقبل سب کچھ سیاستدانوں اور تاجروں کا رہین منّت ہے اور ان میں سے اکثر نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کا منہ تک نہیں دیکھا ہے لہٰذا تعلیمی اداروں پر کلیتہً ذمہ داری ناانصافی کے زمرے میں آئے گی۔ مزید برآں دنیا کا مستقبل تخریب کاروں اور تخریب کے لیے تفریح فراہم کرنے والوں کے ہاتھ میں ہے۔ اس سمت میں جو ترقی ہو رہی ہے وہ آدمی کی جدوجہد اور اس میں کامیابی کا پتہ دیتی ہے لہٰذا مایوسی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ دنیا بھر کے سیاستدان، سائنسدان اور تاجر دنیا کو توڑنے پھوڑنے کا عمل جس تندہی اور چابکدستی سے جاری رکھ رہے ہیں۔ اس میں تعلیمی اداروں کا بہت کم حصہ ہے کہ یہ صرف خام مال مہیا کرتے ہیں جسے کارآمد بنانا پیشہ ور ماہرین کا منصب ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا تعلق صرف لسانیات اور ادب سے ہے تو اس کے لیے انہیں مستقبل پر انحصار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ آج ہی مایوس ہو جانا چاہیئے۔

ناکامی جاوید کی ہم مانتے منت
افسوس شہیدی تری تربت نہیں ملتی

ابن الحسن

PIA میں انتقامی کارروائیوں کا آغاز ہو گیا

بیس ملازمین کے تبادلے، یو پیائی سے عہدیداروں پر مقدمات بنانے کی دھمکیاں

پی آئی اے میں مزدوروں کے خلاف ایک بار پھر ایک خطرناک سازش جنم لے رہی ہے خوف، دہشت اور انتقامی کارروائیوں کی صلیبیں ایکبار پھر پی آئی اے کے سفید جزیرے کے در و دیوار سے لٹکائی جا رہی ہیں دھمکیوں اور تشدد کے وسیلے سے مخالفین کو کچلنے کے لیئے پیاسی نے اپنے آقاؤں کی خوشنودی کے لیئے ایک اور منصوبہ تیار کر لیا ہے اس منصوبے کے تحت ملازمت سے برطرفیوں، تبادلوں اور تشدد کے ذریعے ان ہزاروں ورکرز کو نشانہ بنایا جائے گا جو کسی بھی صورت اس جماعت سے اتفاق نہیں کرتے۔ اس خوفناک منصوبے کو بنانے کے لیئے جماعت اسلامی کے رہنماؤں اور دہشت پسند ذیلی تنظیموں نے حصہ لیا ہے۔ قومی اسمبلی کے سابق رکن جو پی آئی اے میں ریفرنڈم کے دوران بیرونی مداخلت پر پابندی کے باوجود پیاسی کے لیئے کام کرتے رہے ہیں۔ بھی اس منصوبے کی تیاری میں شامل تھے۔ اس منصوبے کی کاغذی تکمیل کا کام ریفرنڈم سے قبل شروع کیا گیا تھا چونکہ ریفرنڈم سے قبل "امداد غیبی" کے سبب پیاسی کے جیتنے کے سو فیصد امکانات تھے۔ اس لیئے ریفرنڈم کے وقت سے ہی اس کام کی ابتداء کر دی گئی تھی۔ اب پیاسی کس طرح حملہ آور ہونا چاہتی ہے اس کے متعلق پیاسی کے انتہائی اہم ذرائع کے مطابق مندرجہ ذیل طریقہائے واردات ہونگے۔

۱. جھوٹے کیس کھڑے کرکے مخالفین کو چارج شیٹیں دی جائیں گی۔ اور انہیں ملازمتوں سے برطرف کر دیا جائیگا

۲۔ تبادلے کرا کر انہیں ہراساں کیا جائے گا۔

۳۔ اسلام اور سوشلزم کو وجہ بنا کر انارکی پھیلائی جائے گی۔ فسادات یعنی جھگڑے کرائے جائیں گے تاکہ انہیں وجہ بنا کر انہیں ملازمتوں سے نکالا جا سکے۔

جہاں تک جھوٹے مقدمات کا تعلق ہے پیاسی کے ایک سینئر عہدے دار کے مطابق سابق حکومت کی بنائی ہوئی یو پیائی اور پیا کے ادوار کی خفیہ رپورٹوں کے ذریعے مقدمات بنائے جائیں گے اور اس سلسلہ میں ابتداء یو پیائی کے عہدے داروں اور یو پیا کی پرانی قیادت سے کی جائے گی۔ اس کے علاوہ بڑے پیمانے پر تبادلے کرائے جائیں گے جس کا آغاز پچھلے دنوں ہو چکا ہے اب تک پندرہ سے بیس تک تبادلے کرائے جا چکے ہیں اور ابھی کئی ہونے باقی ہیں۔ اب تک جن کے تبادلے ہو چکے ہیں ان میں یو پیائی کے صدر اور کئی دوسرے بڑے عہدیدار شامل ہیں۔ جبکہ پچھلے دنوں کہکشاں بلڈنگ میں جو اجلاس ہوا تھا۔ اس میں کراچی کے موجودہ ٹریفک منیجر، سیکشن منیجر کے علاوہ کئی آنیسرز اور کارکنوں کے تبادلے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔

ملازمت سے نکالنے کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑی رکاوٹ بنی ہوئی ہے وہ انتظامیہ کا رویہ ہے ۱۹۷۶ء کے تلخ تجربے کے بعد اب پی آئی اے کی انتظامیہ کسی بھی بڑے منفی اقدام کے لیئے تیار نہیں۔ اور خاص طور پر پی آئی اے کے چیئرمین نور خان کسی طرح بھی اتنے بڑے پیمانے پر یہ کارروائیاں کرنے کے لیئے تیار نہیں ہونگے۔ کیونکہ ۱۹۷۶ء میں ہونے والے خوفناک اور بہیمانہ اقدامات کے خلاف نفرت کی دیواریں لوگوں کے ذہنوں میں ابھی موجود ہیں۔ چنانچہ نور خان ریٹائرڈ ایئر مارشل کے لیئے یہ ممکن نہیں ہوگا کہ وہ دوبارہ کوئی منفی کام پی آئی اے میں دہرانے کی کوشش کریں۔ چنانچہ پیش بندی کے طور پر اور پی آئی اے کے چیئرمین کے اس رویے کو جانتے ہوئے جماعت اسلامی کی دہشت پسند گوریلا فورس نے ایک جامع پروگرام بنایا ہے جس میں پی آئی اے کی قیادت اور دوسرے بڑے آفیسروں کو بلیک میل کرنے اور خوفزدہ کرنے کے لیئے اول اول بیانات کا سلسلہ شروع کیا جائے گا۔ اور بعد ازاں جماعت اسلامی کے مرکزی رہنما اس کھیل میں شریک ہو جائیں گے۔

اب یہ کھیل اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے ایک طرف پیاسی نے دہشت گردی کا ایک پروگرام مرتب کرکے مخالفین کو کچلنے کا آغاز تبادلوں سے کیا۔ تو دوسری طرف جماعت اسلامی کے مرکزی عہدے دار اور ان کے ترجمان اخبارات بڑی باقاعدگی سے پی آئی اے کی انتظامیہ کو تنقید کا نشانہ بنائے ہوئے ہیں جن کے بیانات اخبارات کی زینت بن چکے ہیں ان میں جماعت کے امیر میاں طفیل محمد اور قومی اتحاد کے سیکریٹری جنرل پروفیسر عبدالغفور شامل ہیں۔ جس پر جسارت نے اداریے لکھے اور ایوی ایشن ٹائمز نے پی آئی اے کے خلاف بیانات شائع کیئے۔ اس صورتِ حال کو دیکھنے کے بعد پی آئی اے کا ہر باشعور ملازم ہی فکرمند نہیں بلکہ پاکستان کے شہری بھی اس صورتحال کو تشویش کی نظر سے دیکھ رہے ہیں ان حالات میں جبکہ ملک میں ایک مخصوص ذہن کی طرف سے ترقی پسند اور روشن خیال لوگوں کو تنقید کا نشانہ بنا کر انہیں ملازمتوں سے نکالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ پی آئی اے سے ہزاروں ملازمین کو بے روزگار کرانے کا منصوبہ صرف خوفناک ہی نہیں ملک کے خلاف ایک سازش بھی ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ پی آئی اے کی انتظامیہ جماعت اسلامی کی بلیک میلنگ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیتی ہے یا اس موقف پر قائم رہتی ہے کہ وہ اس ادارے میں انتقامی کارروائیوں کے عمل کے ناکام تجربے کو اب نہیں دہرانے دیگی۔ کیا ٹریفک میں ہونے والی تبدیلیوں کو اس کا آغاز سمجھا جائے یا بات یہیں پر رک جائیگی اس کا فیصلہ مستقبل کرے گا۔

غزل

حزیں لدھیانوی

حاصل جب آگہی کی ہمیں روشنی ہوئی
ہم ناپیمبروں سے بھی پیغمبری ہوئی

تالے پڑے ہوئے ہیں لبوں پر تو کیا ہوا
آنکھوں میں آجکل ہیں زبانیں اُگی ہوئی

نرغے میں وحشیوں کے ہرن ہے گھرا ہوا
سیدھے ہیں تیر اور کمانیں تنی ہوئی

انساں کو سب نے مالِ تجارت سمجھ لیا
انساں کے انگ انگ کی سوداگری ہوئی

کالک تمام محلوں کے ماتھوں پہ جم گئی
بستی میں رات آگ تھی ایسی لگی ہوئی

تو صرف دیکھتا رہا، اے ربِّ ذوالجلال
بے درد پتھروں کی یہاں بندگی ہوئی

ہم سرخرو ہیں اپنا لہو دے کے اے حزیںؔ
سوچا نہ سنگلاخ زمیں کب ہری ہوئی

تزئین جہاں ایوبی پیٹرک لومبا پیپلز فرینڈشپ یونیورسٹی ماسکو میں پہلی پاکستانی سول انجینئرنگ کی طالبہ ہیں۔ انہوں نے علامہ اقبال کراچی سے انٹر امتیازی نمبروں سے پاس کیا اور انہیں گزشتہ سال فرینڈشپ یونیورسٹی میں اسکالرشپ ملی انہیں اردو ادب سے خاص دلچسپی ہے اور وہ بڑے سبک و نرم شعر کہتی ہیں۔ یہ نظم انہوں نے اکتوبر انقلاب کی ۶۰ ویں سالگرہ پر ماسکو میں کہی اور اسے پاکستان سٹوڈنٹ یونین ماسکو کی ادبی نشست میں پڑھی۔

روح کا دکھ

تزئین جہاں ایوبی

ہمارے دکھوں کو ہمارے سوا اب اماں کون دے گا بھی
سوچتے سوچتے ذہن پتھرا گئے
اور لفظوں کی بارش —— یونہی قطرہ قطرہ ٹپکتی رہی
لوگ کہتے ہیں، کہنہ صحیفوں میں لکھے ہوتے سارے الفاظ
اپنا اثر کھو چکے
بے اثر ہو چکے

کسے یہ پتہ کہ بغاوت کی شمعیں دھواں دے رہی ہیں
سوالوں کے طائر دلیلوں کے آکاش پر اُڑ رہے ہیں
ڈھلا دن
تو گم کردہ رہ اک کرن زندگی کی طلب میں
کسے ڈھونڈتی ہے
کسے ہے پتہ —— کون جانے بھلا
اس کا آغاز کیا
اس کا انجام کیا —— کہ سبھی راستے زندگی کی لطافت سے ناآشنا ہیں
مگر اب —— یہ سورج کا پیغام ؟
مری طرف لوٹ آؤ —— کہ سب راستے اس طرف
زندگی کی تمنا سے لبریز روشن —— مگر
کون جانے کہ یہ بھولی کرن !
انہی راستوں پر بھٹکتی ہے کب سے
جو جاتے ہیں سُورج کے روشن نگر کو
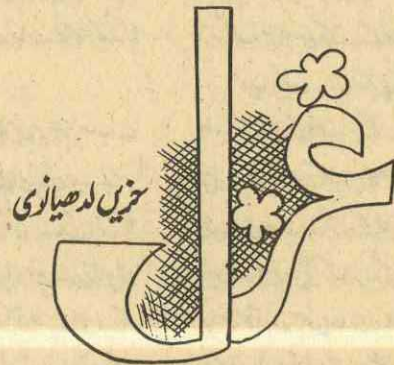
کراچی یونیورسٹی

تعلیمی درسگاہ جوڈو کراٹے کی تربیت گاہ بنا دی گئی

وائس چانسلر کی دھمکی بلاوجہ نہ تھی

شبیہہ الحسن

جامعہ کراچی کی سلور جوبلی کی اطلاع ہم تک ریڈ اینڈ وائٹ کنگ سائز فلٹر کے رنگین اشتہار کے ذریعہ پہنچی، جو نرسری اور صدر کے بعض سینما گھروں کی دیواروں پر مار دھاڑ کے بھرپور پنجابی فلموں کے پوسٹروں کے شانہ بشانہ چسپاں ہیں۔" جی ہاں۔ ریڈ اینڈ وائٹ، فلٹر کنگ سائز آپ کی تسکین کی ضمانت ـــــ

یہ بھی یاد رہے کہ سلور جوبلی تقریبات کی ساری ٹھیکیداری صالحین کی نابالغ جماعت، اسلامی جمعیت طلباء کے سپرد ہے کہ جامعہ کے وائس چانسلر ڈاکٹر احسان رشید اس جماعت کے سوا طلبار کی باقی تنظیموں کو اپنے جوتے کی نوک پر رکھتے ہیں۔ نوکری پکی کرنے کا یہ طریقہ گو اکیڈمک نہیں مگر تیر بہدف ضرور ہے۔ اور ہمارے ڈاکٹر صاحب کو تو اس میں ید طولیٰ حاصل ہے۔

جامعہ کو شدید مالی بحران کا سامنا ہے۔ ہمارے خیال میں اگر تھوڑی بہت فکری بحران پر بھی توجہ دی جاتی تو شاید مالی بحران کو مستقل طور پر حل کرنے کی کوئی معقول راہ اب تک نکل آتی۔ مگر یہ جامعہ کی بدقسمتی رہی ہے کہ اس کے سربراہان نے ہمیشہ مالی بحران کا واویلا کیا۔ اور کوئی ٹھوس تجویز پر عمل کرنے کی بجائے گرانٹ میں اضافہ، چندے اور عطیات پر اپنی ساری توجہ مرکوز رکھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ کراچی کے سرمایہ داروں اور تاجروں کی امداد سے وقتی طور پر جامعہ کی ضرورت پوری تو ہو جاتی ہے مگر دوسرے لمحے مالی بحران کی شکایت کا مرض عود کر آتا ہے۔ فضول خرچی لاپرواہی اور بدعنوانی کے سبب جامعہ کا اثاثہ اور سامان جس بری طرح پامال ہوتا ہے وہ ایک الگ داستان ہے۔

سلور جوبلی یا جشن سیمیں کا ڈھول بڑے زور زور سے پیٹا گیا۔ طلبار اور اساتذہ کی رائے تھی کہ سلور جوبلی جیسی بے معنیٰ تقریبات پر لاکھوں روپے برباد کرنے کی بجائے یہ رقم جامعہ کی ترقیات اور فیکلٹیز کی توسیع پر خرچ کی جائے مگر ڈاکٹر احسان رشید کے سر پر تو اعلیٰ شخصیت کو مدعو کر کے خوشنودی اور مدت ملازمت کو طول دینے کا بھوت رقص کر رہا تھا۔ یونیورسٹی روڈ کو پختہ کرنے کا کام بھی شب و روز جاری رہا۔ گرین بیلٹ پر رنگ برنگ کے خوشنما پودے بھی لگائے گئے۔ تاکہ آنے والی شخصیت کا دل باغ باغ ہو

صاف ستھری انتظامیہ اور کھردری انتظامیہ

جائے۔ اس مناسب تجویز کو جامعہ کے مفاد کے خلاف قرار دے کر وائس چانسلر نے فرمایا کہ سلور جوبلی کی تقریبات ہر قیمت پر ہوں گی۔ اور اگر کسی نے مزاحمت کی تو دیکھ لیا جائے گا۔" ان کی یہ دھمکی بلا وجہ نہ تھی۔ اسلامی جمعیت طلبا کی غنڈہ فورس تھنڈر اسکواڈ ان کی پشت پر تھی۔

تقریبات سے چند روز قبل احسان رشید گول ٹوپی پہن کر میمن بازار، گوردھن داس مارکیٹ، بولٹن مارکیٹ اور کاغذی بازار کے تاجروں اور دکانداروں سے عطیات اور چندے کی وصولی کی مہم پر نکلے۔ اس مہم میں انہیں کتنی کامیابی حاصل ہوئی وہ خود جانتے ہوں گے یا ان کی گود میں بیٹھی جمعیت جانتی ہوگی۔ لیکن جس انداز میں انہوں نے چندے کی وصولی کے دوران تصویریں اتروائیں۔ اس سے انجمن حمایت اسلام کے عطیات کی مہم بھی پھیکی نظر آتی۔ کیا یہ افسوس کا مقام نہیں کہ سندھ کی سب سے بڑی جامعہ کے وقار کو سڑکوں پر کھینچ لایا گیا۔ آخر چندے اور عطیات سے جامعہ کی گاڑی کب تک کھینچی جائے گی۔ کیا اس طرح جامعہ کراچی کو عظیم روایات کی حامل ایک اعلیٰ تاریخی درسگاہ کی شکل میں تبدیل کیا جا سکتا ہے؟ ڈھٹائی اور بے شرمی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ کراچی کے شہریوں کے عطیات اور مالی امداد سے چلنے والی جامعہ کو صوبے کی تحویل سے وفاقی قبضے میں دینے کی بات ہو رہی ہے۔ وائس چانسلر نے سلور جوبلی کی افتتاحی تقریب میں عبوری حکومت سے مطالبہ کیا کہ جامعہ کو وفاقی کنٹرول میں دے دیا جائے۔ اسلامی جمعیت طلبا بھی ٹھمکا لگا رہی ہے۔ سُر میں سُر ملا رہی ہے۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ جامعہ سندھ کی عظیم سرزمین اور روایات کی امین ہے یہ صرف اور صرف صوبہ کی ملکیت ہے۔ اس پر مرکزی حکومت کا قبضہ غاصبانہ ہوگا۔ اور سندھ کے عوام اس اقدام کی مزاحمت کریں گے۔ رہ گئی امداد کی بات تو دنیا بھر کی حکومتیں جامعیات کی مالی امداد کرتی ہیں۔ یہ کوئی ایسی انہونی اور انوکھی بات نہیں جو وائس چانسلر کی سمجھ میں نہ آتے۔

اگر انہوں نے جامعہ کو مالی بحران سے نجات دلانے کے لیے عطیات جمع کرنے کا بیڑہ اٹھا ہی لیا تھا تو انہیں چاہیئے تھا کہ سلور جوبلی جیسی فضول اور بے مقصد تقریبات پر تین چار لاکھ روپے خرچ کرنے کی بجائے یہی رقم تدریس و تدریسی پر خرچ کرتے اور غریب ملازمین کی فلاح و بہبود کے لیے مخصوص کر دیتے۔

زیادہ افسوسناک بات یہ ہوئی کہ جب جامعہ کے طلبار اور طالبات نے سلور جوبلی اور دیگر تقریبات کے خلاف مظاہرہ کیا تو وائس چانسلر نے جمعیت کی غنڈہ فورس تھنڈر اسکواڈ اور کراٹے کے غنڈوں سے اس بری طرح پٹوایا کہ بعض طلبار کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں اور طالبات زخمی ہو گئیں۔ — انتہا یہ ہوئی کہ غنڈہ گردی کو جامعہ کی چہار دیواری تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ دوسرے دن جمعیت اور کراٹے کے غنڈوں نے ہر اس کالج کے لڑکوں کو اپنی غنڈہ گردی کا نشانہ بنایا جو وائس چانسلر اور جمعیت کے طرز عمل کے مخالف ہیں اور جامعہ کو پولیس اور جماعت اسلامی کے سیاہ سائے سے دور دیکھنا چاہتے ہیں۔

کیا اسلامی جمعیت طلبا اور وائس چانسلر کے اس طرز عمل سے سمجھ لیا جائے کہ انہوں نے سندھ کی اعلیٰ درسگاہ کو جوڈو اور کراٹے کی ایرینا میں تبدیل کر کے اپنے منصوبے کو ہر قیمت پر عملی جامہ پہنانے کا ارادہ پختہ کر لیا ہے؟

کراچی کا موسم تاحال خوشگوار ہے۔ سبک رفتار خنک ہوائیں تھکے تھکے جسم سہلاتی ہیں۔ لیکن سیاسی موسم اس قدر حبس اور گھٹن کا شکار ہے کہ الحفیظ الامان۔ یہ سناٹا ایسا کہ اپنے دل کی ٹک ٹک کے سوا کوئی آواز سنائی نہیں دیتی۔ جمہوریت کے دعویدار بھی پابندی ہٹنے کے انتظار میں خاموش ہیں۔

اس عمل سے ایک فائدہ ضرور ہوا ہے کہ اخبارات کے صفحات پر روزانہ مسائل کے انبار نظر آتے ہیں۔ جو شاید پہلے سیاسی خبروں کی وجہ سے دب جاتے تھے یا چھپنے سے رہ جاتے تھے۔ ایک تو یہی مسئلہ بڑی شدت سے سامنے آیا ہے کہ کراچی کے مختلف علاقوں میں پانی کی جو پہلے سے قلت تھی وہ قحط کی صورت اختیار کرتی جا رہی ہے واضح رہے ابھی سردی ختم ہوئی ہے۔ مارچ کا مہینہ ہے۔ جون جولائی اگست ستمبر اکتوبر اور نومبر کے مہینے ابھی باقی ہیں۔ پانی کی قلت شہریوں پر کیا قیامت ڈھائے گی۔ اس کے تصور سے ابھی رونگٹے کھڑے ہوتے جا رہے ہیں۔ سیاست میں فوج کی آمد اور نظم و نسق کے اثرات بڑے واضح طور پر نظر آ رہے ہیں۔ لیکن کمال یہ ہے کہ بلدیاتی اداروں ان کے افسران اور عملہ کے طرز عمل میں کوئی مثبت تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی۔ حالانکہ عبوری حکومت کا بنیادی دعویٰ یہی ہے کہ وہ صاف ستھری انتظامیہ دینا چاہتی ہے تاکہ آنے والی حکومت کو کسی قسم کی دشواری پیش نہ آئے۔ مگر دیکھنے میں یہی آ رہا ہے کہ انتظامیہ ستھری ہونے کی بجائے مزید کھردری ہوتی جا رہی ہے۔ بلدیہ کراچی کے ایک افسر سے پانی کی فراہمی کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا تو اس نے بڑے تحکمانہ انداز سے جواب دیا "ہر جگہ پانی کی شارٹیج ہے ہم کیا کر سکتے ہیں۔"

جب ہم نے اس سے کہا کہ مارشل لاء حکام سے رجوع کرنا پڑے گا تو اس نے بڑی لاپرواہی سے جواب دیا۔ — شوق سے۔ یہ کہہ کر اس نے ٹیلیفون رکھ دیا — بڑے ڈھیٹ لوگ ہیں۔ مارشل لاء حکام کو بھی خاطر میں نہیں لاتے۔ ■

علامہ اقبال کالج میں جمعیت کی غنڈہ گردی

اس افتتاحی تقریب کی اطلاع جب علامہ اقبال کالج (شام) ڈرگ روڈ کے طلباء کو ملی تو یہاں کے وہ طلبا جو نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے پرچم تلے منظم ہیں نے اس کھلی ہوئی غنڈہ گردی کے خلاف اور زخمی طلبا کی حمایت میں ایک جلسے کا فیصلہ کیا۔ ابھی جلسے کی تیاری اپنے ابتدائی مراحل میں ہی تھی کہ اسلامی جمعیت طلبہ کے 'مجاہدوں' نے غیر مجاہدانہ حرکتوں کا آغاز کر دیا۔ اس غنڈہ گردی کے نتیجے میں این ایس ایف کے جوائنٹ سیکرٹری علی قاخان مرزا اور دوسرے کارکن زخمی ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ ان غنڈے نما مومنوں کو کالج میں ہنگامے کے دوران اس میڈیکل اسٹور کے جماعت اسلامی چھاپ مالک کمک پہنچاتے ہیں۔ یہ میڈیکل اسٹور یقیناً غنڈوں کو کمک پہنچانے ہی کے لیے کالج کے سلسلے میں کھولا گیا ہے۔ بہرطور جمعیت کی غنڈہ گردی اور اس غنڈہ گردی کو کامیاب کرانے کے لیے میڈیکل اسٹور کے توسط سے پہنچنے والی کمک نے جامعہ کراچی کے ہنگامے اور غنڈہ گردی کی تاریخ کو علامہ اقبال کالج میں ۷ مارچ کو ہی دہرا دیا گیا۔

سلور جوبلی یا
لاٹھیوں، لوہے کے پائپ اور سلاخوں کے استعمال کا مظاہرہ

نمائندہ خصوصی

جمعیت کے حامی عناصر نے طالبات کو بھی زد و کوب کیا

جامعہ کراچی کی سلور جوبلی ہوتی تو ۱۹۷۶ء میں تھی لیکن ملتوی ہوتے ہوتے ۱۹۷۸ء تک پہنچ گئی۔ اور اس دفعہ بھی تین مرتبہ سلور جوبلی کی تاریخ میں تبدیلی ہوئی۔ پہلے سلور جوبلی کی تقریبات کا افتتاح چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل ضیاء الحق کو کرنا تھا لیکن انہوں نے مصروفیات کی وجہ سے مجبوری ظاہر کر دی اور آخر مہمان خصوصی کے لیے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر کے مشیر برائے تعلیم محمد علی ہوتی کا نام طے پایا۔ اور اس طرح سلور جوبلی کی تقریبات کے افتتاح کی تاریخ ۷ مارچ طے ہوئی ــــ سلور جوبلی کی تقریبات کا چرچا اس وجہ سے بھی زیادہ تھا کہ جامعہ کراچی شدید مالی بحران کا شکار ہے اور شیخ الجامعہ نے اس سلسلے میں چندہ جمع کرنے کی مہم شروع کی ہوئی تھی۔ اور پریس میں اس بات کو بار بار دہرایا جاتا رہا۔ جہاں تک طلبہ اور اساتذہ کا تعلق ہے ان میں سے اکثریت چندہ جمع کرنے کے خلاف تھی اور باقی ماندہ لوگوں نے اس میں کوئی عملی دلچسپی نہیں ظاہر کی لہٰذا یہ بات صرف اخبارات تک محدود ہو گئی اور چندہ برائے نام جمع ہو پایا۔ انجمن طلبہ جامعہ کراچی اس بات کا پرزور مطالبہ کر رہی تھی کہ عوام پر ٹیکس لگا دیا جائے۔ اس کے ساتھ یونین یہ بھی شدومد کے ساتھ مطالبہ کر رہی تھی کہ جامعہ کو وفاق تحویل میں دے دیا جائے۔ اس سلسلے میں سب سے دلچسپ بات یہ تھی کہ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر بھی جامعہ کو وفاق کی تحویل میں لینے کی بات کر چکے تھے۔ دوسری طرف پروگریسو فرنٹ کا یہ موقف تھا کہ حکومت جامعہ کا مالی خسارہ پورا کرے اور اس کا کوئی مستقل انتظام کرے۔ فرنٹ نے

وفاقی تحویل نامنظور اور خسارہ فوراً پورا کرو کے نعرے برداشت نہ ہو سکے !!

عوام پر ٹیکس لگانے کی مخالفت کی اور جامع کو وفاقی تحویل میں نہ دینے کا مطالبہ کیا۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس طرح نشستوں کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔ ساتھ ہی یہ مثال دی گئی کہ جو ادارے پہلے وفاقی تحویل میں دیئے گئے ہیں ان کی حالت پہلے سے ابتر ہو گئی ہے اور ہر مسئلے پر اسلام آباد سے رجوع کرنے میں مزید دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔ ساتھ ہی فرنٹ نے اس بات پر حیرت ظاہر کی کہ تعطیلات کے دوران اور طلبہ کی غیر موجودگی میں سلور جوبلی کس کے لیے ہو رہی ہے اور اس قدر اخراجات کیوں کیے جا رہے ہیں؟

سلور جوبلی کی تقریبات ۷ تاریخ کو شروع ہونا تھیں لیکن ۵ تاریخ سے ہی شامیانوں کرسیوں قناطوں وغیرہ سے پنڈال ترتیب دے دیا گیا تھا جس میں ۵ ہزار افراد کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ ۶ تاریخ کی پوری رات تیاریاں ہوتی رہیں، تمام دیواروں پر سے نعرے مٹا دیئے گئے اور جامع کو صاف ستھرا کر کے سجا دیا گیا۔ اب یہ جامع پہلے سے کچھ مختلف نظر آ رہی تھی۔ ان باتوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ تقریب پر غیر معمولی اخراجات کیے جا رہے ہیں۔ اس سے پہلے ۶۰ ہزار روپیہ خرچ کر کے سلور جوبلی کی یادگار بنائی گئی تھی۔ جس پر سابق وزیر اعظم بھٹو کے بارے میں جو کچھ کندہ کیا گیا تھا مٹایا جا چکا تھا — ۷ تاریخ کی صبح یونیورسٹی کے چوکیدار خاکی وردی میں ملبوس جامع میں موجود تھے تمام گاڑیاں اور طلبہ کو لانے والی بسیں جامع کے پچھلے حصے سے داخل ہو رہی تھیں۔ پوائنٹ رکھنے کی جگہ پر پروگریسو فرنٹ کے طلبہ و طالبات کی بڑی تعداد سینے پر بیج آویزاں کیے ہوئے پمفلٹ تقسیم کر رہی تھی۔ لیکن پھر بھی جامع میں طلبہ و طالبات کم نظر آ رہے تھے — اور باہر کے لوگ زیادہ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ جامع میں تعطیلات تھیں۔ ادھر پمفلٹ تقسیم ہو رہے تھے دوسری طرف پنڈال میں مہمانوں کو بٹھایا جا رہا تھا جس میں غیر ملکی سفیر بھی بڑی تعداد میں تھے۔ اس میں ایک عجیب بات یہ تھی کہ تقریب انتظامیہ کی جانب سے تھی لیکن بڑی تعداد میں "رضا کار" کا بیج لگائے جمعیت کے کارکن نظر آ رہے تھے — دوسری طرف آرٹس لابی میں اور اس کے باہر بڑی تعداد میں طلبہ و طالبات بیج آویزاں کیے ہوئے تھے جس میں نعرے درج تھے۔ جامع میں سرکاری مداخلت بند کرو۔ جامع وفاقی تحویل میں نامنظور — جامع کی خود مختاری بحال کرو۔ حکومت فوراً مالی خسارہ پورا کرے۔ اس قسم کا ایک بینر آرٹس لابی پر بھی لگایا گیا تھا۔ ۱۰ بجے کے قریب تقریب تلاوت کلام پاک سے شروع ہوئی۔ اس کے تھوڑی دیر بعد شیخ الجامع نے تقریر کی جس میں مالی بحران کا ذکر کیا گیا۔ اور جامع کو وفاقی تحویل میں دینے کا مطالبہ کیا گیا۔ ان کے فوراً بعد چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کے مشیر برائے تعلیم جناب محمد علی ہوتی تقریر کرنے آئے۔ ان کے آتے ہی پنڈال میں بیٹھے ہوئے طلبہ و طالبات نے پلے کارڈ ہاتھوں میں اٹھا کر نعرے لگانا شروع کر دیئے۔ پریس رپورٹر اور فوٹو گرافر ان کی طرف بڑھے۔ نعرے بازی میں شدت پیدا ہوتی چلی گئی۔ جو نعرے وہاں لگائے جا رہے تھے ان میں وفاقی تحویل نامنظور — خسارہ فوراً پورا کرو — وغیرہ وغیرہ شامل تھے۔

ان نعروں کو روکنے کے لیے اسلامی جمعیت طلبہ کے کارکن اور دیگر غنڈہ عناصر جن کو باہر سے بلایا گیا تھا فوراً طلبہ و طالبات کی طرف بڑھے۔ انہوں نے پلے کارڈ چھین لیے اور ان پر کرسیوں سے حملہ کر دیا۔ اس سے پنڈال میں بھگدڑ مچ گئی اور مشیر تعلیم نے اپنی تقریر بمشکل پانچ منٹ میں ختم کر دی۔ ادھر پنڈال سے باہر مسلح غنڈوں نے طلبہ و طالبات پر حملہ کر دیا۔ کئی طلبہ و طالبات زخمی ہو گئے اور کچھ کو بہت شدید چوٹیں آئیں۔ زخمی ہونے والے طلبہ میں محبوب پٹیل، عاقل لودھی، آصف، مسرت حسین، رفیق پٹیل، شاداب، دردانہ قریشی اور عنزیتہ اسحاق شامل ہیں۔ سندھ نیشنل اسٹوڈنٹس فیڈریشن کراچی کے صدر اور شعبہ سماجیات کے طالب علم رفیق پٹیل اور پروگریسو فرنٹ کے معاشیات کے طالب علم شاداب پر پنڈال میں کرسیوں سے حملہ کر کے زخمی کیا گیا۔ جبکہ پروگریسو فرنٹ کی وائس چیئرمین دردانہ قریشی اور لبرل کی عنزیتہ اسحاق اور فرنٹ کے محبوب پٹیل پر نید رہ مسلح غنڈوں نے حملہ کر دیا۔ جس سے محبوب پٹیل شدید زخمی ہوئے۔ انہیں فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ اسی طرح فرنٹ کے ایک سرگرم کارکن اور کیمسٹری فائنل کے طالب علم مسرت حسین پر غنڈوں کے ایک گروپ نے اکنامکس میں لاٹھیوں اور لوہے کے پائپ سے شدید زخمی کر دیا۔ انہیں پروفیسر فرلباش نے پڑا دیکھ کر وہاں سے اٹھایا۔ بقیہ طلبہ میں اسلامی تاریخ کے طالب علم عاقل لودھی کے سب سے زیادہ چوٹیں آئی ہیں جن کو سلاخوں سے مارا گیا۔ اس واقعے کے فوراً بعد پروگریسو فرنٹ اور لبرل کی جانب سے ایک مقامی ہوٹل میں پریس کانفرنس کی گئی۔ جس میں واقعات کی تفصیلات بیان کی گئیں اور سلور جوبلی کی تقریبات سے بائیکاٹ کا اعلان کیا گیا — اور دوسرے دن یوم سیاہ منانے کا اعلان کیا گیا۔

دوسرے دن جامع میں صبح ساڑھے سات بجے کے قریب ریوالور سے مسلح غنڈوں نے فرنٹ اور این ایس ایف کے پمفلٹ پھاڑ دیئے اور فرنٹ کے غلام قادر اور ضیاء احمد اعوان کو شدید زخمی کر دیا۔ ■

میانوالی
وارث محمد انجم

سچ بولنے پر اظہارِ وجوہ کا نوٹس دے دیا گیا

ضلع میانوالی میں اگر کسی استاد کا تبادلہ گھر کے نزدیک کسی اسکول میں ہو جاتا ہے تو اس کی اتنی خوشی ہوتی ہے جتنی اولاد نرینہ عطا ہونے پر گھر میں چراغاں ہوتا ہے اور یہ نہیں کہ صرف اسی استاد کو بلکہ جس طرح لڑکا کسی کے ہاں پیدا ہوتا ہے مگر خوشی سارے شہر اور محلہ کو ہوتی ہے اسی طرح پورے ضلع کے اساتذہ کو خوشی ہوتی ہے کہ ایک دو تو گھر گئے ہیں مثلاً شہباز خان کو بستی خیل اور امیر شاہ کو دال بھچراں بھیجا گیا ہے اس پر تمام اساتذہ نے خوشی کا اظہار کیا ہے جس طرح لوگ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ فلاں کو تو لڑکا عطا کیا ہے ہمیں بھی اس نعمت سے نواز اسی طرح میانوالی کے استاد بھی اللہ تعالیٰ سے دعا گو رہتے ہیں کہ یا اللہ شہباز خان کا تو تبادلہ ہو گیا ہمارا بھی ہو جائے اور یہ دعا بھی مانگتے ہیں کہ ایجوکیشن آفیسر میانوالی کا دل موم کر دے۔

ضلع میانوالی میں ایک ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر گزشتہ سال حج پر چلے گئے تھے حج پر سے واپسی ہوئی تو

فرق صرف اتنا ہے کہ....

نواب شاہ ✳ محمد نواز خلجی

بڑے بڑے سیانوں کا قول ہے کہ ہر چیز ایک مدت کے بعد اپنے اصل کی طرف لوٹتی ہے جس طرح آج ۱۰ مارچ کو نواب شاہ شہر کے گلی کوچے ۵ جولائی سے پہلے کے منظر پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ آج اور کل میں کوئی فرق دکھائی نہیں دے رہا ہے۔ کل جب سندھ کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت میں جناب جتوئی صاحب نواب شاہ کے دورے پر تشریف لاتے تھے تو ضلعی انتظامیہ چاق و چوبند ہو جایا کرتی تھی۔ جتوئی صاحب کی گذرگاہوں پر رات ہی سے صفائی اور پانی چھڑکنے کا سلسلہ شروع ہو جایا کرتا۔ راستے کے دونوں طرف چونے کی لائنیں لگنا شروع ہو جاتیں۔ پولیس والے چوراہوں پہ بڑے مستعد کھڑے دکھائی دیتے۔ بلدیہ کے حکام شہر کا کچرا ڈھونے والی ٹرالیوں میں کھلی کچہری کے لئے منتخبہ جگہ پر شامیانے اور کرسیاں ڈھوتے نظر آتے بلدیہ کا عملہ جتوئی صاحب کی آمد کی خوشی میں شہریوں سے طوطے کی طرح آنکھیں پھیر لیتا۔ محلوں اور گلی کوچوں میں گندگی کے ڈھیر لگ جاتے۔ ہر آفیسر جتوئی صاحب کی خوشنودی حاصل کرنے کی فکر میں بڑھ چڑھ کر اپنی کارکردگی کا مظاہرہ کرتا ہوا نظر آتا۔ لوگ باگ دور دور سے اپنے مسائل اور مشکلات لے کر پہنچنا شروع ہو جاتے کسی کو پولیس کے رویّہ سے شکایت ہوتی تو کسی کو مختارِ کار اور محکمہ انہار کے عملے سے گلہ ہوتا۔ جتوئی صاحب سارا سارا دن لوگوں کی شکایات سنتے اور موقع پر موجود انتظامیہ کے افسران سے بازپرس کرتے اور احکام جاری کرتے۔

آج بھی نواب شاہ شہر میں لوگوں کے ہجوم نظر آتے ہیں۔ ہر شخص کے ہاتھ میں درخواست نظر آ رہی ہے جس پر اس کا مسئلہ اس کی شکایت درج ہے۔ سڑکوں پر پولیس کے سپاہی کڑک دار وردیوں میں ملبوس سیٹیاں بجاتے دکھائی دے رہے ہیں۔ آج ان کے رویّے میں ایک عرصے کے بعد بہت بڑی تبدیلی نظر آ رہی ہے جس منہ سے گالیاں جھڑا کرتی تھیں آج اسی منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں سپاہی مجسمۂ اخلاق بنے ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ غرض ہر چیز اسی طرح سنواری گئی ہے کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔ فرق ہے تو صرف اتنا کہ آج مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر زون

کسی کو ابھی تک کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ ہیڈ ماسٹر صاحب حج کرنے گئے تھے اور واپس بھی آ گئے اور تنخواہ بھی وصول کر لی ہے۔ انہوں نے ایمانداری کے تحت یا محکمہ تعلیم پر یہ واضح کرنے کے لیئے کہ وہ بھی اب حاجی بن گئے ہیں محکمہ تعلیم میانوالی کو درخواست دی کہ ان کے پچھلے دو ماہ کی درخواست رخصت منظور کی جائے کیونکہ وہ حج کر کے واپس آ گئے ہیں اس ایمانداری پر یا حاجی ہونے کی تشہیر کرنے پر محکمہ تعلیم میانوالی نے ان سے جواب طلب کر لیا ہے کہ وہ بغیر رخصت کے حج پر کیوں گئے تھے

محکمہ تعلیم میانوالی کے ارباب اختیار یہ تو مان گئے ہیں کہ ۱۶۵ اساتذہ کو ایڈجسٹمنٹ کے نام پر تبدیل کیا گیا مگر اب اگر ۱۶۵ کو نو سے ضرب دی جائے تو حساب ہزاروں پر ہی پہنچ جائے گا آج تبادلہ کل منسوخی کی تعداد بھی اس میں شامل کی جائے تو کل کتنے ہوئے؟

"سی" جناب لفٹیننٹ جنرل محمد اقبال صاحب (صوبہ سندھ کے فوجی حاکم اعلیٰ) نواب شاہ شہر کے مختصر دورے پر آنے والے ہیں۔

ڈسٹرکٹ کونسل ریسٹ ہاؤس کے وسیع و عریض لان پر شامیانے تنے ہوتے ہیں۔ جن کے نیچے ہزاروں افراد کرسیوں پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ کچھ کھڑے ہوئے ہیں ان کے مسائل ان کی پریشانیاں ان کے چہروں سے عیاں ہیں۔ ضلعی افسران گھبراتے گھبراتے دکھائی دیتے ہر آفیسر اس خوف میں مبتلا ہے کہ کہیں اس کی شکایت نہ ہوجائے۔ پولیس والے ایسے افراد پر کڑی نگاہ رکھے ہوتے ہیں جن سے خدشہ لاحق ہے کہ وہ کہیں شکایت نہ کردے۔ ایسے افراد سے درخواستیں چھینی جارہی ہیں اور ایک کلرک کے پاس جمع کی جارہی ہیں۔ ایسے لوگوں کو پیچھے دھکیلا جارہا ہے۔ لوگوں کا ہجوم بڑھتا ہی چلا جارہا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ لوگ ابھی تک مسائل میں گھرے ہوتے ہیں۔ ان کے مسائل میں نہ تو کمی واقع ہوتی ہے اور نہ ہی نوکر شاہی کے رویہ میں کوئی تبدیلی رونما ہوتی ہے۔ اسی دوران پنڈال سے شور کی آواز بلند ہوتی ہے۔ معلوم کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ چند پولیس والے ایک بوڑھے کو پیچھے دھکیلنا چاہتے ہیں ہیں اور اس سے درخواست لینے کی کوشش میں ہیں تاکہ اسے انتظامیہ کے مقرر کردہ کلرک کے پاس جمع کرائی جاسکے۔ لیکن وہ بوڑھا بضد ہے۔ وہ کہتا ہے میں مر جاؤں گا لیکن جنرل صاحب کو اپنی درخواست خود پیش کروں گا جس میں پولیس کی شکایت درج ہے۔ بوڑھے کا کہنا ہے کہ کچھ عرصہ قبل اس کے بیٹے کو بھرے بازار میں قتل کیا گیا تھا لیکن پولیس نے ابھی تک کارروائی نہیں کی کیونکہ ملزمان بااثر ہیں۔

گھڑی کی سوئیاں تیزی کے ساتھ حرکت کررہی ہیں جنرل صاحب کی آمد کا وقت گذر چکا ہے۔ لوگ انتظار کی لذت سے محظوظ ہورہے ہیں کہ اچانک ریسٹ ہاؤس کی چھت پر کھڑے ہوئے چند فوجی جوان بگل بجانا شروع کردیتے ہیں۔ بگل کی آواز فضاؤں میں گونج رہی ہے پنڈال میں بیٹھے ہوئے دیہاتی ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ بگل کس مقصد کے لئے بج رہے ہیں۔ پنڈال میں بیٹھے ہوئے افسروں میں ہلچل مچ جاتی ہے اور وہ اپنی بے ترتیب کرسیوں کو ترتیب میں کرنا شروع کردیتے ہیں جیسے عیدگاہ میں صفیں درست کی جاتی ہیں

جنرل صاحب پنڈال میں بنے ہوئے اسٹیج پر تشریف فرما ہیں وہ لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ میں یہاں انتخابی دورے پر نہیں آیا اور نہ میں یہاں ووٹ مانگنے آیا ہوں۔ انہوں نے مزید فرمایا کہ میں یہاں جادو کی کنجی لے کر نہیں آیا کہ اسے گھما کر آپ کے مسائل حل کردوں۔ اس کے لیے آپ کو صبر سے کام لینا ہوگا۔ ہم ۵ جولائی کے بعد رونما ہونے والے واقعات کے ذمہ دار ہیں۔ اس سے پہلے ہونے والی دھاندلی کی ذمہ داری ہم پر عائد نہیں ہوتی ملک کی عدالتیں آزاد ہیں جو قانونی طور پر آپ کے مقدموں کا فیصلہ کریں گی۔ میں نے انتظامیہ کو ہدایت کردی ہے کہ وہ بلا امتیاز لوگوں کو انصاف مہیا کریں۔

اس کے بعد درخواستیں دینے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ ابھی کچھ ہی درخواستیں جنرل صاحب کے گوش گزار ہو پائی تھیں کہ جنرل صاحب کی روانگی کا وقت ہوگیا۔ وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے کہ باقی درخواستیں مقامی حکام کو پیش کی جائیں۔ وہ کچھ عرصہ بعد پھر آئیں گے۔ یہ کہہ کر وہ پنڈال سے اٹھ کر چلے گئے۔ پولیس اور ضلعی آفیسران کے چہرے جو تھوڑی دیر قبل مرجھاتے ہوئے دکھائی دیتے تھے وہ کھل اٹھتے ہیں۔ نوکر شاہی کی شکائتیں لے کر آنے والے ایک دوسرے کا حسرت و یاس سے منہ تک رہے تھے۔ وہ تو میلوں کا سفر طے کرکے اس امید پر یہاں آئے تھے کہ وہ خود جنرل صاحب کو اپنی داستانِ غم سنائیں گے اور دل کے پھپھولے پھوڑیں گے۔ لیکن جنرل صاحب چلے گئے۔ اب وہ آفیسران ان کی شکایات کا کیا ازالہ کریں گے۔ جن کے خلاف ہی وہ شکایت لے کر آئے تھے۔

لوگ ابھی اسی شش و پنج میں مبتلا ہیں کہ لیفٹیننٹ جنرل اقبال صاحب کسی ضروری کام سے یا چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر جناب جنرل ضیاء الحق صاحب کا ٹیلیفون سننے کے لیے اٹھ کر گئے ہیں جس طرح اکثر اوقات جتوئی صاحب بھٹو صاحب کا ٹیلیفون سننے کے لیے اٹھ کر چلے جایا کرتے تھے۔ اور پھر تھوڑی دیر بعد واپس آجاتے تھے۔ لہٰذا جنرل اقبال صاحب بھی تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لے آئیں گے۔

دیہی علاقوں سے آنے والے کسان ابھی یہی سوچ رہے تھے کہ آسمان پر ہیلی کاپٹر کی گونج سنائی دی تو ایک پولیس آفیسر مسکراتا ہوا ایک دیہاتی سے جس کے ہاتھ میں درخواست موجود تھی یہ کہتا ہوا سنائی دیا کہ اب اپنے گھر واپس جاؤ جنرل صاحب دادو کے لیے پرواز کر گئے ہیں اور پھر پنڈال میں بیٹھے ہوئے دیہاتی اور دوسرے لوگ آہستہ آہستہ اپنے گھروں کو لوٹنا شروع ہوگئے۔ ان کے چہرے مرجھائے ہوئے دکھائی دے رہے تھے اور پھر ہیلی کاپٹر کی گڑگڑاہٹ سے پیدا ہونے والا شور آہستہ آہستہ خاموشی میں ڈوب گیا۔

حیدرآباد میں امریکی سنٹر نے سرگرمیاں تیز کردیں

رقم ایک کی جیب سے دوسرے کی جیب میں منتقل ہوتی رہی

ملکی سیاست آٹھ ماہ تک حدود و قیود کے تجربے سے گزرنے کے بعد یکم مارچ سے پابندی سے ہمکنار ہے لیکن یہ اس سیاست کی بات ہے جو ملک کی سیاسی جماعتیں اپنے پلیٹ فارم اور لیڈروں کے توسط سے جاری رکھتی ہیں۔ لیکن سیاست کی ایک قسم وہ بھی ہے جو کسی سیاسی جماعت کی محتاج نہیں ہوتی نہ ہی اس پر یہ شرط عائد ہوتی ہے کہ وہ ملکی بنیاد بھی رکھتی ہو۔ سابقہ حکومت کے دور میں ایک قانون کے ذریعے دفتر خارجہ کی اجازت کے بغیر دوستی کی انجمنیں بنانے پر پابندی عائد کردی گئی تھی۔ لیکن اس پابندی کا اطلاق ان اداروں پر نہیں کیا گیا جو غیر ملکی سفارتخانے اپنے زیر نگرانی انتظام چلاتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک ادارہ حیدرآباد میں قائم امریکی سنٹر ہے۔ جو گزشتہ ۱۵ سال سے قائم ہے

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکی سفارتخانے کے حکام اپنی پچھلی پندرہ سالہ کارروائی سے مطمئن نہیں تھے۔ یا ہو سکتا ہے کہ انہوں نے موجودہ صورتحال کو اور اپنی سرگرمیوں کو وسعت دینے کے لئے زیادہ سازگار سمجھا ہو بہرحال کسی نہ کسی مقصد اور مصلحت امریکی سنٹر کے کارپردازوں نے انٹرنیشنل ویمن کلب قائم کرکے حیدرآباد کی خواتین میں اپنی سرگرمیاں تیز کردی ہیں۔ یہ کلب لطیف آباد کے ایک بڑے بنگلے میں قائم ہے جو دسمبر ۱۹۷۷ء میں حاصل کیا گیا۔

انٹرنیشنل ویمن کلب کے زیرِ انتظام ایک بڑی تقریب بین الاقوامی یوم خواتین کے موقعہ پر ایک میلے کا انعقاد تھی۔ میلہ کیا تھا رنگ و نور کا ایک سیلاب تھا

الفتح کے خصوصی نمائندوں

احسان عظیم اور محمد نواز خلجی کی رپورٹیں

ہالہ میں پنجابی آبادکاروں کے خون سے ہولی یا سندھ میں پنجابی سندھی فساد کی خوفناک سازش

ہفت روزہ "زندگی" نے اپنے حالیہ شمارے میں "خونی" ٹائیٹل پر ہالہ میں پنجابی آبادکاروں کے خون سے ہولی" کی سرخی جمائی. گو سندھ کے ہوم سیکریٹری کنور ادریس "زندگی" کی رپورٹ کی تردید کر چکے ہیں. اور اسے گمراہ کن اور غلط قرار دے چکے ہیں. اس کے باوجود اندرون سندھ شکوک و شبہات اور خوف و ہراس کی فضا پیدا ہو گئی ہے. اس کا سبب یہ ہے کہ ہوم سیکریٹری کے تردیدی بیان کی خاطر خواہ پبلسٹی نہیں کی گئی. جبکہ "زندگی" نے پوسٹروں کے ذریعے پبلسٹی کی، پوسٹروں پر زندگی کا مذکورہ سرورق اور سرخی چھپی ہوئی تھی۔

۵ جنوری ۷۸ء کو ہالہ میں کیا ہوا؟ قومی اخبارات کے مطابق ہالہ اور اس کے قرب و جوار کے لوگوں نے ہڑتال کی. دکانیں بند رہیں. قومی شاہراہ پر ٹریفک معطل رہا. پرائمری اور ہائی اسکول کے طلباء نے ایک جلوس نکالا. ہڑتال، جلوس اور مظاہرہ کرنے کے الزام میں متعدد افراد گرفتار کر لیئے گئے ۵ جنوری ۷۸ء کی شب کو سندھ حکومت کی جانب سے ایک ہینڈ آؤٹ جاری کیا گیا. جس میں کہا گیا کہ۔

عوام نے آج ایک سیاسی جماعت کے یوم احتجاج کی اپیل کو قطعی نظر انداز کر دیا اور صوبہ بھر میں زندگی معمول کے مطابق رہی. تاہم ہالہ میں دکانداروں نے کچھ دیر کے لیے جزوی ہڑتال کی بعض قصبوں میں شر پسندوں کے چھوٹے گروہ سڑکوں پر نکلے لیکن قانون نافذ کرنے والے اداروں کے شور پر فوراً ہی منتشر ہو گئے. بعض مقامات پر ۵۰ سے لیکر سو افراد نے مارشل لاء کے ضابطوں کی خلاف ورزی کی کوشش کی. اس سلسلے میں بعض گرفتاریاں ہوئیں اور مارشل لاء ضوابط کی خلاف ورزی کرنے والے افراد کے خلاف فوجی عدالتوں میں مقدمے چلائے گئے. کل ۵۳ افراد کو مجرم قرار پایا گیا انہیں چھ ماہ سے ایک سال تک کی سزائیں سنائی گئیں. صوبہ سندھ کے کسی بھی حصہ میں تشدد کے کسی واقعہ یا قانون نافذ کرنے والے اداروں سے تصادم کی اطلاع نہیں ملی."

یہ تو تھی سرکاری اطلاعات اب "زندگی" کی رپورٹ ملاحظہ فرمادیں.

- یہ واقعہ ۵ جنوری ۱۹۷۸ء کا ہے جب پیپلز پارٹی یوم جمہوریت منا رہی تھی.
- ہالہ ٹاؤن میں مقامی پیپلز پارٹی کے سرکردہ لیڈروں کی قیادت میں لاٹھیوں اور کلہاڑیوں سے مسلح چھ سات سو افراد پرانے ہالے میں واقع پنجابی کاشت کاروں کی بستی میں لوٹو، کاٹو اور پیٹو کے نعرے لگاتے ہوئے گھس آئے۔
- مکانوں کے دروازے توڑ ڈالے عورتوں اور معصوم بچوں کو تشدد اور ستم کا نشانہ بنایا.
- سوچے سمجھے منصوبے کے مطابق پہلے ٹیلیفون کے تار کاٹے پھر راستے پر جابجا جھاڑیاں، اینٹیں اور پتھر بچھا دیئے.
- راستے کی بستی سے پٹرول سے بھرے ہوئے ڈبے اور دوسرا سامان لیا. اور پھر خلیل احمد کے مکان پر حملہ کر دیا.
- خلیل احمد نے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ "بستی پر حملہ کا اعلان کیا۔"
- مرد پہنچے دفاعی مورچہ مضبوط ہو گیا مسلح لوگ منتشر ہو گئے
- بشیر احمد نے ٹیلیفون کے ذریعہ فوج کو اطلاع دی دو تین گھنٹے بعد ایس ڈی ایم ہالہ، ڈی ایس پی، ایس ایچ او ملٹری کا ایک کیپٹن اور پولیس کی جمعیت گاؤں پہنچی.
- تحقیقات ایس ایچ او ہالہ کے سپرد ہوئی.
- پولیس نے جانبداری برتی. تار کے ذریعہ مارشل لاء حکام پروفیسر غفور اور اخبارات کو اطلاع دی گئی۔ وفد کی شکل میں سندھ مسلم لیگ کے صدر ذوالفقار علی شاہ جاموٹ اور اعلیٰ حکام سے ملاقات کی لیکن اب تک کسی جگہ سے

خوشبوؤں میں سے مہکتے جسم اعضاء کی بھرپور نمائش کرتی ہوئی محو گلگشت بیگمات اور ان کے ساتھ ساتھ چند منتخب صحافی اور امریکی سنٹر سے قریبی روابط رکھنے والے مرد جو خواتین کے اس میلے میں خود کو راجہ اندر سمجھ رہے ہونگے. تو بجا ہی تھا. نظام مصطفےٰ کی ابتداء کے طور پر بھٹو صاحب نے ملک میں شراب نوشی اور جوئے پر پابندی لگا دی تھی جو تا حال جاری ہے. لیکن کلب تو کلب ہوتا ہے اور وہ بھی امریکی سنٹر کا قائم کردہ کلب ملکی خواتین کلب کی چہار دیواری کے باہر ہی رہیں خواتین و حضرات باہم شیر و شکر ہو کر شرطیں لگاتے رہے۔ اور ہزاروں کی رقم ایک جیب سے دوسری جیب میں منتقل ہوتی رہی۔ اور اس مجمع میں عابدہ، خالدہ پرسں جھلاتی اور مسکراہٹ بکھیرتی نمایاں نظر آتی رہیں.

یہ تقریب کس صالح معاشرے کو جنم دے رہی ہے یہ تو صالحین ہی بتا سکتے ہیں.

بھی دادرسی نہیں ہوئی۔

• زندگی کے نمائندہ خصوصی نے ۱۵ فروری ۱۹۷۸ء کو ہالہ آئے اسی دن میں بے نظیر بھٹو بھی دورے پر ہالہ پہنچی۔

آیئے اب "زندگی" کی مذکورہ رپورٹ کا تجزیہ جائے سندھ اور حیدرآباد کے لیئے "زندگی" کے مستقل نمائندے سلیمان طاہر ہیں جو حیدرآباد میں رہتے ہیں۔ اور کچھ عرصہ پیشتر تک جماعت اسلامی حیدرآباد کے امیر تھے۔ ۵ جنوری کو وہ حیدرآباد میں ہی تھے اور ۲۸ فروری یعنی تقریباً دو ماہ تک ہالہ میں پنجابی آبادکاروں کے خون سے کھیلی جانے والی ہولی سے لاعلم رہے۔ اور خود مدیر زندگی نے ڈیڑھ ماہ تک "خون کی ہولی" کو قابل اعتنا نہیں سمجھا۔

"زندگی" نے مذکورہ رپورٹ اپنے نمائندہ خصوصی عظمت اللہ عباسی کے نام سے شائع کی ہے اور مسٹر • عباسی کے مطابق بیس سال کے عرصہ میں وہ پہلے اخبارنویس ہیں جنہوں نے ہالہ جانے کی زحمت برداشت کی۔ اگر وہ واقعی اخبارنویس ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ ہالہ میں مسلم لیگ پگارا کے ترجمان روزنامہ "مہران" قاضی اکبر کے "سندھ نیوز" قاضی عابد کے "عبرت" اور علی محمد شیخ کے "آفتاب" کے مستقل نمائندے ہالہ میں موجود ہیں۔ ہالہ غیر معروف مقام نہیں، یہ ایک قدیم تاریخی شہر ہے۔ قومی شاہراہ پر واقع ہے اور یہاں سے صرف دو میل کے فاصلے پر شاہ لطیف بھٹائی کا مزار ہے۔ قیام پاکستان سے لیکر اب تک بے شمار سیاستدان گورنر جنرل، صدرِ مملکت، وزراء، سرکاری حکام اور اہم شخصیات ہالہ اور بھٹ شاہ کے دورے کرتی رہی ہیں اور ان کی سرگرمیوں کی رپورٹنگ کے لیئے آج تک سینکڑوں صحافی ہالہ کا دورہ کر چکے ہیں مسٹر عباسی ۱۵ فروری کو ہالہ گئے اسی دن بے نظیر بھٹو کے ہالہ کا دورہ کیا۔ ان کے ساتھ صحافیوں کی ایک پارٹی بھی تھی۔ اگر مسٹر عباسی اخبارنویس ہوتے تو وہ اس دن ہالہ میں موجود صحافیوں سے ضرور ملتے

"زندگی" کی مذکورہ رپورٹ کے بارے میں سیاسی مبصرین اور عوامی حلقوں کا تاثر یہ ہے کہ مفاد پرست اور رجعت پسند سیاستدان، سیاسی جماعتیں، اور ان کے حواری سیاسی مقابلے میں سندھ کو "فتح" کرنے میں ناکام ہو گئے ہیں۔ اس لیئے اب وہ عوام میں ایک علاقے کے باشندوں کے خلاف نفرت پھیلا کر انہیں باہم لڑا کر اپنے مفادات کی تکمیل چاہتے ہیں۔ ۱۹۷۰ء اور ۱۹۷۱ء میں "زندگی" نے مشرقی پاکستان کے عوام کے خلاف جس سازشی انداز میں نفرت پھیلائی تھی۔ وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور اس نفرت کا جو نتیجہ نکلا وہ بھی سب جانتے ہیں اہنی حلقوں کے مطابق گزشتہ کچھ عرصے سے اندرونِ سندھ امن و امان کی صورتحال کافی خراب ہو گئی ہے چوری، ڈاکے اغوا کی وارداتوں میں اضافہ ہو گیا ہے۔ شاہ پور چاکر میں نہر کا پشتہ ٹوٹنا اور کوٹری دادو سیکشن پر "آمری" کے قریب ریلوے لائن کی فش پلیٹیں اکھڑنے کے واقعات کا تسلسل اس امر کا ثبوت ہے کہ رجعت پسند اور عوام دشمن عناصر ایک منظم منصوبے کے تحت سندھ کو میدانِ کارزار بنانے کی سازش کر رہے ہیں اور سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کے ساتھ ہی "خون کی ہولی" کی فرضی رپورٹ شائع کرنے کا مقصد اس سلسلے کی ایک کڑی ہے چنانچہ یہ خیال عام ہے کہ ان واقعات کے پس پردہ ان مایوس عناصر کا ہاتھ کارفرما ہے جو عوام کو سیاسی طور پر اپنا ہمنوا نہیں بنا سکے۔

نواز خلجی
ہالہ سے لکھتے ہیں

قومی شاہراہ سے تین میل ہٹ کر حفاظتی پشتے کے اندر میں پرانے شہر ہالا میں کھڑا ہوا ہوں۔ شہر کیا ہے ایک گاؤں ہے چند چھوٹے چھوٹے ہوٹل ہیں۔ اور چند دکانیں جہاں سے خرید و فروخت کا سلسلہ جاری ہے۔ دیہاتی ہوٹلوں میں بیٹھے بے فکری سے چائے کی چسکیوں کے ساتھ ساتھ خوش گپیوں میں مصروف ہیں۔ جن میں نئے سندھی بھی ہیں اور پرانے سندھی بھی ہیں۔ آس پاس کے کھیتوں میں کسان انہماک کے ساتھ اپنے کام میں مصروف ہیں۔ کچھ کسان کھیتوں کی طرف جا رہے ہیں اور کچھ شہر کی طرف آتے دکھائی دے رہے ہیں ہر شخص اپنے کام میں مگن ہے میں حیرانی اور پریشانی کے عالم میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ میرے ہاتھ میں ہفت روزہ "زندگی" کا تازہ شمارہ موجود ہے جس میں سرورق کو دیکھتا ہوں۔ جس پر رقم ہے کہ ۵ جنوری کو یوم جمہوریت مناتے ہوئے پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے اس شہر میں پنجابی آبادکاروں کے خون سے ہولی کھیلی۔ میں اسی خونی ہولی کے سرخ خونی نشان دیکھنے آیا ہوں۔ میں ان گھروندوں اور دکانوں کو دیکھنے کے لیئے ہی یہاں پہنچا ہوں جنہیں بقول ہفت روزہ "زندگی" "لوٹا گیا، مسمار کیا گیا۔ مجھے ان پنجابی آبادکاروں کی خواتین سے ملنے کا اشتیاق یہاں کھینچ لایا ہے۔ جن کی ہفت روزہ زندگی کے اوراق پر بے حرمتی کی گئی ہے لیکن یہاں مجھے کوئی ایسی بات نظر نہیں آرہی جس سے اندازہ ہو سکے کہ یہاں کچھ عرصہ پہلے کوئی ناخوشگوار خونی واقعہ رونما ہوا ہے مجھے ہر طرف سندھی مہاجر اور پنجابی بھائی چارے کی فضا دکھائی دے رہی ہے۔ سب قوموں سے تعلق رکھنے والے افراد آپس میں گھل مل دکھائی دے رہے ہیں۔ دشمنی اور رقابت کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے میں دوبارہ زندگی کا سرورق دیکھتا ہوں۔ اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں کہ جو کچھ مجھے دکھائی دے رہا ہے یہ سب میری آنکھوں کا دھوکہ ہے یا جادو ہے پیپلز پارٹی کے کسی کارکن نے یہاں پہنچتے ہی میری نظر بند کر دی ہے اور وہ سب کچھ میری نظروں سے اوجھل کر دیا ہے جو "زندگی" کے رپورٹر کو نظر آیا تھا۔ میں میران علی شاہ کی درگاہ کی طرف روانہ ہوتا ہوں جہاں سے بقول ہفت روزہ "زندگی" پیپلز پارٹی کے "غنڈوں" کا جلوس شروع ہوا تھا اور جس نے پرانا ہالہ کے پنجابی آبادکاروں کے خون سے ہولی کھیلی۔ لوٹ مار مچائی۔ عورتوں کی بے حرمتی کی" اب میں شہر سے باہر میران علی شاہ کی درگاہ پر کھڑا ہوں جس کے اردگرد کوئی مکان دکھائی نہیں دیتا۔ درگاہ کیا ہے جھاڑ جھنکار کی باڑ نے ایک قطعہ زمین کو گھیر رکھا ہے جس میں ایک جھونپڑی ہے۔ ایک چبوترے پر بنی ہوئی ہے کانٹوں کی باڑ پھاند کر اندر پہنچتا ہوں ایک شخص جھونپڑی سے برآمد ہوتا ہے۔ یہ شخص اس درگاہ کا مجاور ہے کانوں سے بہرہ ہے اس کا نام محمد وریل خاصخیلی ہے۔

میں نے اس سے ۵ جنوری سے متعلق واقعہ کے بارے میں پوچھا۔ محمد وریل نے کچھ یاد کر کے بتایا کہ ہاں گزشتہ ماہ جب جئے بھٹو والے شاگردوں نے جلوس نکالا تھا۔ اس روز اسکول کے تیس، چالیس شاگرد یہاں آئے تھے اور دعا مانگی تھی۔ اور مجھے ایک پاگل شخص محمد علی بھٹو سے بچایا تھا جو مجھے مار ڈالنا چاہتا تھا۔ یہ پاگل شخص اس درگاہ کی مجاوری کا دعویدار تھا۔ اسکول کے بچوں نے

جو یہاں جمع تھے مجھے بچایا اور پھر بعد میں جیئے بھٹو کا نعرہ کا نعرہ لگاتے ہوئے چلے گئے۔ میں نے محمد علی بھٹو کے بارے میں پوچھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے تو اس نے بتایا کہ اب وہ پاگل خانے میں ہے۔

میں درگاہ سے نکل کر پنجابی آباد کاروں کے محلے کی طرف روانہ ہو گیا۔ جس کے بارے میں ہفت روزہ زندگی" کی اطلاع ہے کہ وہاں خون کی ہولی کھیلی گئی راستے میں معصوم بالائی سے ملاقات ہو جاتی ہے ان سے جب پوچھا کہ جنوری کو کیا واقعہ رونما ہوا۔ تو جواب ملتا ہے "بہتر ہے کہ آپ ان پنجابی آبادکاروں سے مل لیں انہی کی زبانی معلوم ہوا کہ اس محلہ میں قیام پاکستان سے قبل ہندو رہا کرتے تھے اور اس وقت اسے سندھ ورکی محلہ کہا جاتا تھا۔ میں محلہ میں داخل ہو چکا ہوں۔ اور پر پیچ تنگ گلیوں سے گزرتا ہوا ایک کھلی جگہ پہنچتا ہوں جہاں ایک شخص زمین پر بیٹھا ہوا حجام سے شیو بنوا رہا ہے۔ تین افراد اس کے قریب بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف ہیں ان میں ایک سندھی بھی ہے جس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کلہاڑی ہے میں نے ان سے پوچھا کہ بھائیو ۵ جنوری کو یہاں کیا واقعہ پیش آیا۔ کس کا گھر لوٹا گیا پیپلز پارٹی کے "غنڈوں" نے کس کس کے خون سے ہولی کھیلی "ان میں سے ایک شخص نقیر محمد ملک" نے مجھے بتانا شروع کیا۔ ۵ جنوری کو پیپلز پارٹی کے حامی طلباء نے جلوس نکالا تھا۔ اور ساٹھ ستر لڑکے اس طرف بھی آ نکلے۔ محلہ کے سامنے دو تین خالی ٹرک کھڑے ہوئے تھے جو ہڑتال کے باعث یہاں رک گئے تھے۔ طلباء جیئے بھٹو کے نعرے لگاتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے کہ ٹرکوں کے قریب کھڑے ہوئے کچھ لوگوں سے ان کا تصادم ہو گیا۔ لہذا دونوں طرف سے پتھراؤ ہونے لگا اور کچھ دیر بعد طلباء واپس گھروں کو چلے گئے۔

نقیر محمد ملک ابھی اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ اس کے ساتھ بیٹھا ہوا ایک نوجوان تیزی کے ساتھ آگے بڑھا اور بولا۔ "جی اسے کیا پتہ صحیح بات میں بتاتا ہوں اس نے کہا۔ ۵ جنوری کو ہم سب لوگ کھیتوں پر گئے ہوئے تھے۔ محلہ میں پانچ چھ نہایت ضعیف بوڑھے اور کچھ عورتیں تھیں۔ اس دوران پیپلز پارٹی کے پانچ چھ سو غنڈے جو کلہاڑیوں، بندوقوں سے مسلح تھے محلہ پر حملہ آور ہوئے دوسری طرف سے محلہ میں موجود دو تین مردوں، چھ سات عورتوں نے خالی ہاتھ ان کا راستہ روک لیا۔ اور ان پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ انہوں نے بھی پتھراؤ کیا جس سے ہمارے کچھ آدمی زخمی ہو گئے۔ بعد میں وہ بھاگ کھڑے ہوئے اتنی دیر میں جب ہم کھیتوں سے واپس پہنچے تو ہم نے دیکھا کہ پانچسو مسلح افراد محلہ کے قریب گڑھوں میں چھپے ہوئے بیٹھے ہیں جو ہمیں دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ قریب ہی بیٹھے ہوئے سندھی نے کہا کہ "جھوٹ بولتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی اس روز تم میرے ساتھ تھے۔ قسم کھاؤ کہ تم نے گڑھے میں چھپے ہوئے سندھیوں کو دیکھا۔ تم کہتے ہو کہ وہ بندوقوں اور کلہاڑیوں سے مسلح تھے اور تمہارے پتھراؤ سے ڈر کر فرار ہو گئے۔ اگر وہ تمہیں لوٹنے آئے تھے تو انہوں نے بندوقوں اور کلہاڑیوں کو کیوں استعمال نہ کیا۔ تم کہتے ہو کہ پانچسو افراد چھپے ہوئے تھے۔ اور پانچسو افراد نے حملہ کیا۔ بندوقوں اور کلہاڑیوں سے مسلح ایک ہزار افراد کو اس محلہ کے دو تین بوڑھوں اور سات عورتوں نے پتھر مار مار کر بھگا دیا۔ کچھ تو شرم کرو اتنا سفید جھوٹ تو نہ بولو۔" وہ شخص کچھ غصہ میں اور کچھ شرمندگی سے اس کی طرف پلٹ کر جواب دیتا ہے چپ کرو تمہیں کیا خبر یہ اخباری نمائندہ ہے۔ ہمیں بعد میں محلہ والوں نے یہی بتایا تھا۔" میں ان دونوں حضرات کو تکرار کرتے ہوئے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتا ہوں۔

اب میں بوڑھے عمر دین کے پاس ایک چبوترے پر بیٹھا ہوا ہوں جس نے ایک چھابی میں دو ڈھائی روپے کے بیر رکھے ہوئے ہیں۔ اور انہیں بیچ رہا ہے اس کے قریب ہی دو تین بوڑھی عورتیں بیٹھی ہیں مجھے دیکھ کر دو تین آدمی اور پہنچ گئے۔ میں نے بوڑھے عمر دین سے ۵ جنوری کے واقعہ کے متعلق پوچھا۔ تو اس نے بھی وہی پانچسو افراد کے حملہ ہونے والی کہانی سنائی۔ جو اس سے پہلے سن چکا تھا بوڑھا اگر کہیں رک جاتا، اٹک جاتا تو قریب کھڑے ہوئے دوسرے دو تین نوجوان لقمہ دیتے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ ایک کہانی محلہ کے کچھ لوگوں کو طوطے کی طرح رٹا دی گئی ہے۔

بوڑھے عمر دین نے بتایا کہ سندھیوں کے حملہ سے نہ تو کوئی شدید زخمی ہوا۔ اور نہ ہی کسی کا گھر لٹا نہ ہی کسی عورت کی بے حرمتی ہوئی۔ البتہ ایک دو آدمیوں کو پتھر لگنے سے زخم آئے۔ واضح رہے کہ ہفت روزہ زندگی اس پتھراؤ سے معمولی زخمی ہونے والے افراد کے متعلق لکھتا ہے کہ یہاں "خون کی ہولی کھیلی گئی ہے۔"

یہیں میری ملاقات علی محمد ملک، ولی محمد، نقیر محمد اور امام دین سے ہوئی جنہوں نے الگ الگ ہفت روزہ زندگی" کے من گھڑت واقعات کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ اس نے ایک معمولی واقعہ کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا ہے جس کا حقیقت سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے انہوں نے بتایا کہ اصل واقعہ یہ ہے کہ کچھ طلباء نے جن کی تعداد چالیس پچاس سے زیادہ نہ تھی جلوس کی شکل میں ہمارے محلے سے گزرنے کی ضرور کوشش کی اس وقت محلہ میں چند ٹرک کھڑے ہوئے تھے ہو سکتا ہے کہ ان ٹرکوں کے ڈرائیوروں اور کلینروں سے انکا تصادم ہوا ہو۔ جس کی بناء پر آپس میں پتھراؤ ہوا ہو۔ دوسری طرف محلہ میں موجود چند لوگوں نے بھی پتھراؤ کیا۔ اس طرح احتجاج کرنے والے طلباء وہاں سے چلے گئے انہوں نے بتایا کہ یہ سراسر غلط ہے کہ ہمارے محلہ پر کسی مسلح گروہ نے حملہ کیا تھا۔ اور عورتوں کی بے حرمتی کی" انہوں نے کہا کہ اگر واقعی کوئی مسلح گروہ حملہ آور ہوتا تو وہ پورے محلہ کو لوٹ سکتا تھا کیونکہ اس وقت محلہ میں کوئی مرد موجود نہ تھا۔

میں یہاں سے روانہ ہو کر ٹانگہ اسٹیشن کے قریب واقع ایک ہوٹل میں بیٹھ گیا۔ یہاں کچھ لوگ چائے پینے میں مصروف ہیں باتوں ہی باتوں میں ۵ جنوری کے واقعہ پر گفتگو ہونے لگتی ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ اصل واقعہ کیا ہے وہ کون لوگ ہیں جو ایک معمولی واقعہ کو لسانی اور عصبیت کا رنگ دیکر اس علاقے کا امن و سکون غارت کرنا چاہتے ہیں ایک شخص جو پڑھا لکھا محسوس ہوتا تھا۔ اور کسی بینک میں ملازم تھا۔ اس نے اپنا نام بتانے سے گریز کیا بتایا کہ اصل قصہ یہ ہے کہ علی بخش شاہ ناز لطیفی جو پہلے پیپلز پارٹی ہالہ کے صدر تھے۔ غلام محمد گرلو جو پیپلز پارٹی تعلقہ ہالہ کے جنرل سیکرٹری ہیں۔ اور پیپلز پارٹی ورکنگ کمیٹی کے رکن غلام مہدی میمن کو گزشتہ دنوں بدعنوانیوں کے سلسلے میں پیپلز پارٹی سے نکال دیا گیا ہے اب یہ لوگ مسلم لیگ میں شامل ہو چکے ہیں علی بخش ناز لطیفی مسلم لیگ حیدر آباد کے صدر ہیں۔ یہ سارا انہی لوگوں کا کیا دھرا ہے انہوں نے اپنی لیڈری چمکانے کی غرض سے اس معمولی واقعہ کو لسانی رنگ دینے کی کوشش کی ہے حالانکہ یہاں جتنے پنجابی ہیں وہ ریاست پٹیالہ سے ہجرت کر کے یہاں گزشتہ ۳۰ سال سے آباد ہیں یہ سب کے سب سندھی زمینداروں کے ہاری ہیں اگر انہیں یہاں سے بھگانا ہی مقصود ہوتا تو انہیں صرف زمینوں سے بے دخل کر دیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ یہاں کا سندھی زمیندار پنجابی ہاری پر جان چھڑکتا ہے اس کی ناز برداریاں برداشت کرتا ہے

ہم مندرجہ ذیل دستخط کنندہ ساکن ہالا پرانا تعلقہ ہالا ضلع حیدرآباد سندھ
تصدیق کرتے ہیں کہ ہفت روزہ زندگی لاہور کے
پرچہ میں بعنوان ہالا میں پنجابی آبادکاروں کے
خون سے ہولی کھیل گئی کا جو شرمناک مضمون ہمارے نام
پر منسوب کیا گیا ہے اس کی ہم لوگ سخت
الفاظ میں مذمت کرتے ہیں اور حلفیہ کہتے
ہیں کہ اس حقیقت کا کوئی بھی وجود نہیں!
زندگی کے رپورٹر عظمت اللہ عباسی نے
جو شرمناک اور بیہودہ رپورٹ
لکھی ہے اس پر ایڈیٹر الطاف حسین قریشی
کو بذاتہ خود شرمسار ہونا چاہئیے

تحریری بیان کا عکس

ھالہ کے ۲۵ پنجابی آبادکار کہتے ہیں

ہم مندرجہ ذیل دستخط کنندہ ساکن ہالا پرانا تعلقہ ہالا ضلع حیدرآباد سندھ تصدیق کرتے ہیں کہ ہفت روزہ "زندگی" لاہور کے پرچہ میں بعنوان "ہالا میں پنجابی آبادکاروں کے خون سے ہولی کھیلی گئی" کا جو شرمناک مضمون ہمارے نام پر لکھا گیا ہے۔ اس کی ہم لوگ سخت الفاظ میں مذمت کرتے ہیں۔ اور حلفیہ کہتے ہیں کہ اس حقیقت کا کوئی بھی وجود نہیں "زندگی" کے رپورٹر عظمت اللہ عباسی نے جو شرمناک اور بیہودہ رپورٹ لکھی ہے۔ اس پر ایڈیٹر الطاف حسن قریشی کو بذات خود شرمسار ہونا چاہیئے۔ درحقیقت پانچ جنوری ۷۸ء کے دن اسکول کے چھوٹے چھوٹے بچے دوڑ رہے تھے جب وہ عام راستہ پر پہنچے تو ان کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا۔ کہ وہ اس طرف نہ آئیں۔ اس دوران تھوڑی بہت چپقلش بھی ہوئی۔ بعض شر پسندوں نے موقعہ سے فائدہ اٹھا کر حقیقت کو غلط رنگ دے کر طبقاتی منافرت پھیلانے کی کوشش کی۔

جب یہ حقیقت شہر کے معززین تک پہنچی تب وہ حضرات بھائی چارے کی فضا کو قائم رکھنے کی خاطر ہمارے یہاں تشریف لائے اور اس واقعہ پر سخت ندامت دکھائی اور بتایا کہ ہم لوگوں نے اپنی اولاد کی سخت سرزنش کی ہے انشاء اللہ آئندہ ہم لوگوں سے کوئی بھی شکایت کا موقع نہیں ملے گا ہمارے آپس کے بتیس سالہ تعلقات ہیں۔ اور کبھی بھی کوئی ایسی ویسی بات وقوع پذیر نہیں ہوئی۔ اس وعدہ سے متاثر ہو کر ہم لوگوں نے سب کچھ درگزر کیا۔ اور ان حضرات کو یونین کونسل میں لے کر گئے۔ جہاں ایس ڈی ایم ہالا، پاک افواج کے کیپٹن، مختارکار، ڈی ایس پی ہالا، ایس ایچ او ہالا موجود تھے مذکورہ رسالہ میں جو نام دیئے گئے ہیں ان میں سے کافی موجود نہ تھے۔ اس کا ثبوت خود کیپٹن صاحب فراہم کر سکتے ہیں۔ اسی سچ اور جھوٹ کا پول کھول سکتے ہیں۔ یونین کونسل میں جو ہمارے نمائندے گئے تھے اس میں راضی خوشی سے راضی نامہ کیا نہ کہ انتظامیہ کے ڈرانے اور دھمکانے سے۔ اس کے بعد ہم سب لوگ آپس میں گلے ملے اور خوشی خوشی اپنے گھروں کو واپس گئے۔ اس کے بعد جو کچھ رسالہ نے زہر اگلا ہے اور آپس میں منافرت پھیلانے کے لیے تار اور درخواست پیش کی گئی ہے وہ سب جھوٹ اور شرپسند کی ہی بنائی سازش کا نتیجہ ہے۔ مخدوم صاحب پر جو کچھ کیچڑ اچھالی گئی ہے۔ اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں۔ تعجب کی بات ہے کہ طے شدہ معاملے کو غلط رنگ دے کر اپنے وطن، اپنی سرزمین سے غداری کا مرتکب بنے ہیں جبکہ مذکورہ رسالہ میں نامہ نگار کو پنجابی آبادکار ظاہر کیا گیا ہے۔ جو بذات خود حقیقت کے منافی ہے۔ درحقیقت ہم لوگ برصغیر سے ہجرت کے بعد ۱۹۴۷ء میں ہالہ پرانا وطن اختیار کر کے تیس سال سے ہم اور سندھی آپس میں بھائیوں کی طرح رہ رہے ہیں اور ہمیں کسی سے بھی کوئی شکایت نہیں۔ جناب عالی ہم انصاف کی بہتری کی خاطر "ریکارڈ" کی درستی کی خاطر یہ تردیدی بیان دے رہے ہیں۔ اور پرزور اپیل کرتے ہیں کہ جن شرپسندوں نے یہ افسانہ تراشا، ان کے خلاف "قانونی تحریک" کی جائے۔ اور بھائی چارہ کی فضا کو خراب نہ کیا جائے۔ اور ہمارے آپس میں تعصب پھیلانے کی جو کوشش کی جا رہی ہے۔ اس سے بچایا جائے۔

اس بیان پر مندرجہ ذیل افراد کے دستخط ہیں۔

علی محمد، ملک ایم اشرف، بشیر احمد، ولی محمد، چھوٹا، محمد حنیف
لیاقت علی خان، سلام الدین، ولی محمد، فقیر محمد، امام دین، جمیل احمد
شبیر الدین، چوہان، فقیر محمد علی نور، لالی، سلمان، برکت
ولد کال دین، روشن ولد چھوٹو، علی محمد، منگت علی ولد صوبہ خان
نادی، ولی محمد، صدیق، مکھن ولد عبداللہ، مودی۔

کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ سندھی ہاری کے مقابلہ میں پنجابی ہاری زیادہ محنتی ہوتا ہے۔ وہ سندھی ہاری کے مقابلہ میں زیادہ پیداوار دیتا ہے۔ کوئی بھی سندھی زمیندار پنجابی ہاری پر زیادتی برداشت نہیں کر سکتا، چاہے یہ زیادتی اس کے بھائی کی طرف ہی سے کیوں نہ ہوئی ہو"۔ اُس شخص نے مزید بتایا کہ "علی بخش، شاہ ناز لطیف، غلام مہدی میمن اور غلام محمد کریو سے اس علاقے کا ہر شخص واقف ہے انہوں نے پیپلز پارٹی کے دور میں دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹی ہے۔ کراچی میں پلاٹ حاصل کئے۔ پرمٹ حاصل کئے اور راتوں رات لکھ پتی بن گئے ہیں اور اب یہ اپنی بدعنوانیوں کو چھپانے کے لئے مسلم لیگ میں شامل ہو گئے ہیں۔ علی بخش شاہ نے اسمال انڈسٹریز سے دو لاکھ روپے قرض لیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے بنکوں سے بھی قرض لیا ہے لیکن ابھی تک ایک روپے کی ادائیگی نہیں کی۔ جب کہ غلام محمد کریو نے بھی لاکھوں روپیہ زرعی ترقیاتی بنک ہالہ سے لئے ہیں۔ غلام مہدی میمن کی صرف دو ایکڑ زمین ہے لیکن وہ لاکھوں میں کھیلتا ہے کیونکہ وہ محکمہ جنگلات میں اعلیٰ عہدے پر فائز ہے۔ اپنے عزیز غلام قادر میمن کی معرفت سرکاری جنگلات سے ہزاروں روپیہ کی لکڑیاں کٹوا کر فروخت کر دیتا ہے اس کے علاوہ اپنے ایک با اثر قریبی رشتہ دار کے اعلیٰ عہدے سے بھی ناجائز فائدہ اٹھا کر حکام کو بلیک میل کرتا ہے۔

یہاں سے چاتے پی کر میں پیپلز پارٹی کے مقامی رہنما قاضی اعجاز کے بنگلے پر پہنچا جہاں قاضی اعجاز نے اس واقعہ کے متعلق بتایا کہ پرانا ہالہ ہائی اسکول میں تقریباً ایک سو کے قریب طلباء زیر تعلیم ہیں جن میں کافی تعداد پنجابی آبادکاروں کے بچوں کی ہے۔ ۵ جنوری کو چھٹی اور ساتویں جماعت کے چالیس پچاس طلباء جن کی عمر دس اور پندرہ سال کے درمیان ہو گی، سید میران علی شاہ کی درگاہ پر دعا مانگنے کے بعد سندھ ورکی محلہ کے راستے شہر کی طرف روانہ ہوئے۔ محلّہ کے شروع میں ہی ستار تانگے والا اور اس کے کچھ ساتھی نشے میں دھت تھے طلباء کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے اور

(باقی ص ۳۸ پر)

یہ BBC ہے

۶ مارچ ۱۹۷۸ء

سابق وزیراعظم بھٹو کو ہفتہ کے دن نا اہلی کے مقدمے کے سلسلے میں ٹریبونل کے سامنے پیش کیا جائے گا۔ ان پر الزام ہے کہ انہوں نے سرکاری رقم کا ناجائز استعمال کیا اور سرکاری اختیارات سے ناجائز فائدہ اٹھائے مخصوص الزامات عدالت کے سامنے ہی بتائے جائیں گے۔ اگر الزامات ثابت ہو گئے تو سات سال قید سخت عہدہ کے لیے نا اہل اور جائیداد ضبط کرنے کی سزا دی جا سکتی ہے۔

۷ مارچ ۱۹۷۸ء

افغانستان کے صدر داؤد اور پاکستان کے ناظم اعلیٰ مارشل لاء جنرل ضیاء نے دو مرتبہ تنہائی میں مذاکرات کیے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نازک معاملات پر بات چیت ہوئی۔ ممکن ہے کہ مسٹر بھٹو کے خلاف قتل کا مقدمہ بھی زیر بحث آیا ہو جس کا جلد فیصلہ ہونے والا ہے۔ صدر داؤد نے بھی پختونستان کے بارے میں اپنے موقف کی وضاحت کی ہے۔ وہ پٹھانوں والے علاقہ کی بہبود سے دلچسپی کا اظہار کرتے رہے ہیں۔ اور پاکستان انکی اس دلچسپی کو اپنے اندرونی معاملات میں مداخلت سمجھتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ صدر داؤد نے اپنے خلاف ہونے والی سازش کا بھی ذکر کیا ہو جس میں ایک وزیر کا قتل ہوا تھا۔ کل صدر داؤد ایک پریس کانفرنس کریں گے۔ جس سے یہ معلوم ہو سکے گا کہ کیا بات چیت ہوئی ہے۔

۸ مارچ ۱۹۷۸ء

جنرل ضیاء الحق کے ساتھ بات چیت میں افغانستان کے صدر داؤد کی بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ دونوں ملکوں نے باہمی تعاون کے لیے اقتصادی اور تجارتی تعلقات بڑھانے سے اتفاق کر لیا ہے۔

حکومت نے ایک ماہ کے لیے سیاسی سرگرمیوں پر بھی پابندی لگائی ہے۔ اب اس کا مقصد یہی معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر بھٹو کے خلاف مقدمہ قتل کے سلسلے کے متوقع فیصلے کے بعد جو رد عمل ہو اس کا تدارک کیا جائے۔ جنرل ضیاء نے کہا ہے کہ اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو وہ کرائے کے لوگوں کی طرف سے ہو گی۔ انہوں نے یہ بھی بتایا ہے۔ کہ اب ملک میں فضا بہتر ہے۔ انہوں نے اس بارے میں کچھ بتانے سے انکار کر دیا کہ کیا اس ماہ کے بعد معمول کے مطابق سیاسی سرگرمیاں بحال ہو جائیں گی۔ تاہم انہوں نے کہا کہ مہینہ ختم ہونے سے پہلے صورتحال کا جائزہ لیا جائے گا۔ اور یہ بات طے ہے کہ ۳۱ مارچ سے پہلے پابندی ختم نہیں ہو گی۔ سیاسی سرگرمیوں پر پابندی کے بعد پیپلز پارٹی اور قومی اتحاد کے کارکن حراست میں لیے گئے تھے۔ مگر کوئی رد عمل نہیں ہوا۔ تاہم سندھ میں سیاسی تخریب کاری کے کچھ واقعات ہوئے تھے چنانچہ اندیشہ تھا کہ بھٹو کے خلاف سیاسی قتل کا فیصلہ ہونے پر اور بھی واقعات ہو سکتے ہیں۔ اور ہنگامہ کا امکان ہے جنرل ضیاء سے اس بارے میں بھی پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہنگامہ کا انحصار اس بات پر ہے کہ جیب بھری ہوئی ہو بہرحال جنرل ضیاء نے پیپلز پارٹی پر جس کو اب بھی کافی حمایت حاصل ہے۔ ہنگامے کرانے کا براہ راست الزام نہیں لگایا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ مسٹر بھٹو پر جیل میں بدعنوانی کا مقدمہ چلانے کا فیصلہ کیوں کیا گیا ہے تو انہوں نے کہا کہ تحفظ کے خیال سے ایسا کیا جائے گا۔ جب مسٹر بھٹو پر ہائیکورٹ میں مقدمہ چل رہا تھا اور مسٹر بھٹو کو ہائیکورٹ لایا جاتا تھا۔ تو امن و امان رکھنے کے لیے ہائیکورٹ کے ماننہ میں ۸۰ دستے جن میں ڈھائی ہزار جوان ہوتے ہیں تعینات کیے جاتے ہیں۔

۹ مارچ ۱۹۷۸ء

لاہور میں پاکستان پیپلز پارٹی کے لیڈروں اور کارکنوں کی وسیع پیمانے پر گرفتاریاں عمل میں آئی ہیں۔ ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر تقریباً دو سو لیڈروں اور کارکنوں کو گرفتار کیا گیا۔ یہ گرفتاریاں ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف مقدمہ قتل کی سماعت ختم ہونے کے ایک ہفتہ بعد کی گئی ہیں۔ مقدمہ قتل کا فیصلہ کسی بھی وقت متوقع ہے۔ بیگم نصرت بھٹو نے کہا ہے کہ ان کے شوہر کو جو بھی سزا ہو گی اس کے خلاف اپیل کی جائے گی۔

۱۱ مارچ ۱۹۷۸ء

سابق وزیراعظم بھٹو پر ایک خصوصی عدالت میں آج سیاسی بدعنوانی اور اختیارات کے ناجائز استعمال کے الزامات میں مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ مقدمہ کی سماعت لاہور کے باہر ایک جیل میں جہاں بھٹو کو رکھا گیا ہے ہو۔ گواہوں کے بیانات سننے کے لیے خصوصی عدالت کا اجلاس اپریل کے آخر میں ہو گا۔ نامہ نگار کے مطابق ایک چھوٹے کمرے میں مقدمہ کی کارروائی ہوئی۔ کمرے کی کھڑکیوں پر پردے پڑے ہوئے تھے۔ تاکہ باہر سے کوئی نہ دیکھ سکے۔ عدالت میں ایک درجن اخباری نامہ نگار دو وکلاء اور مسز نصرت بھٹو موجود تھیں۔ عدالت کی کارروائی آدھ گھنٹے تک جاری رہی۔ عدالت میں کوئی پولیس والا نہیں تھا۔ تاہم بھاری پولیس کی بھاری جمعیت موجود تھی۔ عدالت میں اپنی موجودگی کے دوران بھٹو نے صرف اتنا کہنے کے لیے زبان کھولی کہ جب خصوصی عدالت میں مقدمہ چلانے کا پہلی بار اعلان ہوا تھا تو ان کی بیوی کو شرکت کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔ اپنی اہلیہ کی موجودگی پر تبصرہ کے علاوہ بھٹو آخر تک چپ چاپ رہے اور بڑے انہماک اور توجہ سے کارروائی دیکھتے رہے۔

۱۲ مارچ ۱۹۷۸ء

بی بی سی نے اپنی اردو نشریات میں عالمی برادری سے بیگم نصرت بھٹو کی ایک اپیل نشر کی جس میں کہا گیا تھا کہ مسٹر بھٹو کے خلاف سیاسی قتل کا مقدمہ فوجی عدالت کو منتقل کیا جا رہا ہے جس کے فیصلہ کے خلاف اپیل کا حق نہ ہو گا۔ بیگم صاحبہ نے اپنی اپیل میں یہ بھی کہا تھا کہ لاہور میں تین ججوں کے مکانات پر فائرنگ کا جو قابل مذمت واقعہ ہوا ہے اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جو مقدمہ کو فوجی عدالت میں منتقل کرانا چاہتے ہیں۔ بی بی سی کے مطابق بیگم نصرت بھٹو نے اس سلسلہ میں بطور خاص ولی خان کا نام لیا تھا۔ بی بی سی نے یہ بھی بتایا کہ بیگم بھٹو کی اپیل شائع کرنے پر اخبار مساوات کے ایڈیٹر اور تین دوسرے صحافی گرفتار کر لیے گئے ہیں اور اب اخبارات پر حکومت نظر رکھے ہوئے ہے۔ بی بی سی کے بلیٹن میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ فوجی حکومت نے مسٹر بھٹو کے مقدمہ کو فوجی عدالت میں منتقل کرنے کی تردید کی ہے۔

آج لاہور کے اخبار مساوات میں ایک چوتھائی جگہ

خالی چھوڑ دی گئی ہے اس لیے کہ حکومت نے بیگم بھٹو کی اپیل سے متعلق خبر ضبط کر لی تھی۔ ایک اور اخبار تعمیر کے خلاف کاروائی کی گئی ہے جس نے بیگم بھٹو کی اپیل شائع کی تھی۔ اخبار حیات اشتعال انگیز تصویریں شائع کرنے کے الزام میں بند کر دیا گیا ہے اور اب حکومت اخبارات کے دفاتر پر نظر رکھے ہوئے ہے۔

بقیہ: ہالہ

انہیں گالیاں دینے لگے جس پر طلباء نے بھی گالیاں دیں اور اسی تو تکار میں نوبت پتھراؤ تک پہنچ گئی۔ دونوں طرف سے پتھراؤ ہونے لگا کہ اسی دوران ستار ٹانگے والے کے ساتھیوں میں سے کسی نے ہوائی فائر کر دیا۔ جس پر طلباء بھاگ کھڑے ہوئے۔ دریں اثنا کسی نے پولیس اور فوج کو اطلاع دے دی لہٰذا پولیس اور فوج کے جوان ایک کیپٹن کی سرکردگی میں وہاں پہنچ گئے۔ موقعے پر اسکول کے ہیڈ ماسٹر محمود ایڑی اور مسلم لیگی رہنما غلام مہدی بھی موجود تھے۔ غلام مہدی نے نو دس طلباء کے نام لکھائے جو جلوس میں شامل ہی نہیں تھے۔ اس کے بعد پیپلز پارٹی کے معززین کا ایک وفد محلے میں گیا اور لوگوں سے بچوں کی زیادتی کی معافی مانگی۔ لہٰذا پرانا ہالہ یونین کونسل کی عمارت میں فوج کے کیپٹن، مختیارکار ہالہ، غلام احمد میمن اسسٹنٹ کمشنر ہالہ اسد اللہ شیخ کی موجودگی دونوں فریقوں کی آپس میں صلح صفائی ہو گئی۔ اور بات ختم ہو گئی۔ مگر یہ بات علی بخش شاہ ناز لطیفی، غلام مہدی میمن اور غلام محمد کریو کو پسند نہ آئی کیونکہ فیصلہ کی صورت میں ان کی چودھراہٹ خطرے میں پڑ گئی تھی۔ لہٰذا انہوں نے اس مسئلے کو دوبارہ اٹھایا جس کی انتہا "زندگی" میں شائع ہونے والے مضمون میں نظر آتی ہے۔

مخدوم نواز احمد سے جب ملاقات ہوئی تو انہوں نے زندگی میں شائع ہونے والے مضمون کا پس منظر بیان کرتے ہوئے بتایا کہ پرانا ہالہ میں سو ڈیڑھ سو گھر پنجابی آباد کاروں کے ہیں جن کی اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جو سندھی زمینداروں کے پاس ہاری ہیں۔ گذشتہ ۳۰ سال سے ہم اور وہ بھائیوں کی طرح رہ رہے ہیں۔ کسی کو کسی سے کوئی شکایت نہیں ہے لیکن کچھ عرصہ پیشتر یہاں کچھ پنجابی خاندان بلال گاؤں سے آ کر آباد ہو گئے ہیں جن میں مہربان علی، مشتاق اور علی نواز کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان لوگوں کو بلال گاؤں والوں نے ان کی شرانگیزیوں کی وجہ سے نکالا تھا۔ یہ جھگڑالو لوگ ہیں انہوں نے ۱۹۶۴ء میں بلال گاؤں میں بلال قوم کے ایک شخص کا خون بھی کر دیا تھا۔ لہٰذا جب سے یہ لوگ یہاں آ کر آباد ہوئے ہیں انہوں نے حسب عادت شرارتیں شروع کر دی ہیں۔ دوسری طرف قومی اتحاد اور مسلم لیگی رہنماؤں کو بھی ایسے ہی آدمیوں کی ضرورت تھی لہٰذا انہوں نے ان لوگوں سے رابطہ قائم کر لیا۔ اس طرح انہوں نے ایک معمولی واقعے کو لسانی رنگ دے کر اس علاقے کے امن و امان کو درہم برہم کرنے کی سازش کی تاکہ ان کی لیڈری قائم رہ سکے ورنہ بات تو کچھ بھی نہ تھی۔"

میں دوکاندار حاجی صدیق سے بھی ملا جس کے متعلق زندگی میں لکھا ہے کہ اس کی دوکان ایس ڈی ایم ہالہ نے زبردستی بند کرائی۔ حاجی صدیق نے اس بات کو غلط اور لغو قرار دیا اور کہا کہ "مجھے کسی نے بھی دوکان بند کرنے کے لئے نہیں کہا بلکہ میری دوکان شام تک کھلی رہی۔"

جب میں پرانا ہالہ سے روانہ ہونے لگا اور لہلہاتے کھیتوں کے درمیان سے گذرا تو مجھے یوں محسوس ہوا کہ جیسے یہ ہرے بھرے کھیت اور گندم کی بالیاں مجھ سے کہہ رہی ہیں، خدارا ان ناعاقبت اندیشوں کو روکو جو تعصب کی آگ بھڑکا کر اس علاقے کو جہنم بنانے پر تلے ہوتے ہیں۔ انہیں منع کرو کہ وہ اپنے سیاسی مقاصد کے لئے عصبیت اور لسانی آگ کو ہوا نہ دیں، ورنہ سب کچھ جل کر خاک ہو جائے گا۔ کھیتوں کا یہ سرسبز و شاداب حسن راکھ کے ڈھیر میں تبدیل ہو جائے گا۔ بھائی بھائی کا دشمن ہو جائے گا۔ اس خطے کے معصوم بھولے بھالے کسانوں کو جو ہمیشہ سے محبت کے گیت گاتے چلے آ رہے ہیں انہیں سیاسی قربان گاہ پر بھینٹ مت چڑھاؤ۔ زندگی والو، زندگی کے نام پر موت تقسیم مت کرو۔ اس خطے پر رحم کرو۔

بقیہ: ریشمی رومال تحریک

ڈیپارٹمنٹ یوپی) (۳۹) محی الدین۔ قصور (پنجاب) (نظر بند) (۴۰) محی الدین۔ مراد آباد (۴۱) محمد عبداللہ۔ میانوالی (مفرور) (۴۲) محمد علی۔ قصور (مفرور) (۴۳) محمد علی سندھ (مفرور) (۴۴) محمد اسلم۔ پشاور (نظر بند) (۴۵) محمد حسن۔ لاہور (مفرور) (۴۶) محمد ہاشم۔ جہان آباد فتح پور (نظر بند) (۴۷) مسعود۔ دیوبند (سلطانی گواہ) (۴۸) محمد میاں۔ سہارن پور (سلطانی گواہ) (۴۹) محمد مبین دیوبند (سلطانی گواہ) (۵۰) محمد مرتضےٰ۔ بجنور (سلطانی گواہ) (۵۱) نور الحسن۔ مظفر نگر (۵۲) عبید اللہ۔ سیالکوٹ (مفرور) (۵۳) صدر الدین بنارس (نظر بند) (۵۴) سیف الرحمان۔ پشاور (مفرور) (۵۵) شاہ بخش حیدر آباد سندھ (نظر بند) (۵۶) شاہ نواز خان۔ ملتان (مفرور) (۵۷) شجاع اللہ۔ لاہور (نظر بند) (۵۸) ولی محمد۔ لاہور (مفرور) (۵۹) ظہور محمد۔ رڑکی سہارن پور"

یہ تھی وہ فہرست جو استغاثہ نے "ریشمی رومال تحریک کے سرغنوں کے طور پر پیش کی۔ اس فہرست کے ساتھ ایک اضافی ضمیمہ ان لوگوں کے ناموں کا بھی شامل کیا گیا جو جماعت حزب اللہ اور جنود ربانیہ کے سالاروں، مربیوں اور افسران کی حیثیت سے متعین کئے گئے تھے۔ حیرت ہے کہ اس فہرست میں ترکی کے سلطان ایران کے شاہ قاچار کابل کے امیر حبیب اللہ تک کے نام شامل ہیں' اور ہندوستان کے درمیان ریاست میں والی بھوپال، والی رام پور، والی بہاول پور حتیٰ کہ نظام حیدر آباد تک کے نام لکھے گئے ہیں۔ اس فہرست میں اس وقت کے ہندوستان کے اکثر اکابر علماء کے نام شامل ہیں حتیٰ کہ مولانا سلیمان ندوی، مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابراہیم سیالکوٹی اور مولانا آزاد سبحانی تک کے نام شامل ہیں۔ یہ فہرست ۱۰۸ ناموں پر مشتمل ہے جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ (باقی آئندہ)

بقیہ: پشاور

تاثر پایا جاتا ہے کہ عام معافی کے بے شمار اعلانوں کے باوجود اصل کارکنوں کا واپس نہ آنا، اس بات کا غماز ہے کہ ایک طرف وہ اعلان ناموں کو اعتماد کی نظر سے نہیں دیکھ رہے، تو دوسری طرف خود ان کو رہنماؤں کے رویوں نے تذبذب میں ڈال دیا ہے۔ اور ایسی صورت میں جب کہ کئی آنے والوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ انہیں افغان حکومت واپسی پر دباؤ نہیں ڈال رہی بلکہ نیپ کے حلقے اور خصوصاً ولی لابی کے رہنما انہیں واپسی پر مجبور کر رہے ہیں اور بعض کے نزدیک یہ مجبور کرنا سیاسی دباؤ کا سبب بھی بن سکتا ہے۔ چنانچہ جو لوگ واپس آتے ہیں، ان میں سے اکثر یہاں کی سیاسی صورت حال سے نہ صرف خوفزدہ ہیں بلکہ آسمان سے گر کر کھجور میں اٹکنے کی مثل بنے حالات کا جائزہ لے رہے ہیں۔

چوہدری محمد رمضان کو دوران الیکشن اغوا کر لیا گیا ہے تاحال لاپتہ ہیں۔ ان تمام واقعات کا علم ضلعی مارشل لاء حکام میانوالی کو ہو چکا ہے ہم حکومت سے استدعا کرتے ہیں کہ ان مظلوموں کو نواب کالاباغ کی غیر قانونی حراست سے چھڑایا جائے اور ان کے خلاف کھلے بندوں تحقیقات کرائی جائے۔

اللہ نواز شفقت۔ عیسیٰ خیل

جذبات کا امتحان

الفتح کا شمارہ ۳۔۱۰ مارچ کے ٹائیٹل پر جنرل ٹکا خان کی تصویر شائع کر کے ہمارے جذبات کو مجروح کیا ہے۔

[illegible]

انسانوں کی [illegible]

الفتح کا تازہ شمارہ (۱۰۔۱۷ مارچ ۱۹۷۸ء) کے کئی مضامین بہت عمدہ ہیں انسانوں کی برآمد پر حسن بخاری کا مضمون ہر چند کہ مختصر ہے لیکن بہت مفید ہے اس موضوع پر ابھی بہت کچھ لکھا جانا چاہیئے اس عمل کے کیا اثرات مرتب ہو رہے ہیں اور ہوں گے اس کے بارے میں زیادہ سے زیادہ معلومات فراہم کی جانی چاہیئے۔ مضمون میں چند پہلو تشنہ رہ گئے ہیں جن پر حسن بخاری صاحب روشنی ڈالیں تو ہم سب کا بھلا ہوگا۔ مثلاً

(۱) انسانوں کی برآمد میں ہنر مند مزدوروں کی تعداد بہت زیادہ ہے کسی ملک کی مزدور تحریک میں ہنر مند مزدور زیادہ اہم کردار ادا کرتے ہیں یہ بڑے کارخانوں اور اداروں میں کام کرتے ہیں۔ اور ان میں شعور بھی نسبتاً زیادہ ہوتا ہے تقسیم ہند کے بعد پاکستان کی مزدور تحریک کو ہندو مزدوروں کے انخلا سے بڑا دھچکا لگا تھا کیونکہ بیشتر ہنر مند مزدور ہندو تھے مشرق وسطیٰ کے ملکوں میں پاکستان کے ہنر مند مزدوروں کے جانے کی وجہ سے پاکستان کی مزدور تحریک کمزور ہوئی ہے

(۲) اس عمل سے پاکستان کے حکمران طبقات کو دوہرا فائدہ پہنچا ہے یعنی بے روزگاری کا دباؤ کم کرنے اور طبقاتی کشمکش کو دھیما کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ اور پاکستانی محنت کشوں کے بھیجے ہوئے زرِ مبادلہ کو غیر پیداواری مدوں میں استعمال کر کے جمہوری تحریک کو کچلنے کے زیادہ مواقع ملے ہیں۔

(۳) جیسا کہ حسن بخاری نے لکھا ہے کہ پاکستانی مزدوروں کو مشرق وسطیٰ میں منظم مزدور تحریک کے خلاف بھی استعمال کیا جا رہا ہے اور اس میں اچنبھے کی بات نہیں ہے۔ انہیں اجرتیں کم دی جاتی ہیں ان کے سر پر چھانٹی کی تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ اور انہیں ہڑتال یا مزدور کی منظم جدوجہد کو توڑنے کی غرض سے استعمال کیا جاتا ہے منظم جدوجہد سے اس بیگانگی کے نفسیاتی اثرات پاکستانی مزدوروں پر کیا مرتب ہوں گے یہ بہت اہم موضوع ہے۔

(۴) مشرق وسطیٰ میں پاکستانی مزدوروں کے DEPENDENTS جو یہاں رہتے ہیں ان کی سوچ کا دھارا اور ان کے طبقاتی مفادات میں کیا تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں یہ بھی قابل توجہ ہے امید ہے کہ آئندہ مضمون میں حسن بخاری صاحب ان پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالیں گے۔ ڈاکٹر احمد حسین کمال کا مضمون بھی بہت معلوماتی ہے اور ان کی گزشتہ سیریز سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے اس کے علاوہ امر جلیل نے "قد" بڑھانے کے جو نسخے تجویز کیے ہیں ان سے بہتوں کا بھلا ہوگا۔ ہمارے ایک جاننے والے نہ صرف قد میں چھوٹے ہیں بلکہ کسی حد تک کبڑے بھی واقع ہوئے ہیں اور سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ انہیں دکھائی بھی کم دیتا ہے چنانچہ جب آئینہ دیکھتے ہیں تو انہیں اپنی آنکھیں "شاہین آنکھیں" نظر آتی ہیں اور کبڑا پن تو بالکل نظر نہیں آتا۔ امر جلیل سے گذارش ہے کہ وہ ان کے لیئے بھی کوئی نسخہ تجویز کریں۔

شاہد حسین کراچی۔

محبت ختم نہیں ہوسکتی

ہم نے بھٹو کا ساتھ دینے کا عہد کیا تھا اور آج جبکہ بھٹو اور پارٹی ایک عظیم جدوجہد سے گزر رہی ہے تو ہم آج بھی بھٹو اور پارٹی کے جانثار ہیں اور بھٹو کے لیئے جان حاضر ہے قائد عوام کو ہم سے جدا کیا جا سکتا ہے مگر ہمارے دلوں سے ان کی محبت ختم نہیں کی جا سکتی۔

عابد حسین بخاری تربت بلوچستان

مہاجر شاؤنزم

پیپلز پارٹی کے اقتدار کے آخری دنوں اور خاص کر اقتدار سے الگ کیے جانے کے بعد آپ نے جو پالیسی اپنائی تھی ہم سب اس کی تعریف کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ آج کل واحد سنجیدہ رسالہ الفتح ہے اور اس سلسلے میں کئی بار سوچا کہ آپ کو مبارکباد کا خط لکھیں مگر سستی آڑے آتی رہی۔ معذرت خواہ ہوں ۔ مارچ کا شمارہ دیکھا ٹائیٹل پر جناب الحاج جنرل ٹکا خان کی تصویر دیکھی دل کو سکون اور آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچی کہ شکر ہے خدا کا آپ کا مہاجر شاؤنزم ابھی قائم ہے اور اس ملک میں جنرل ٹکا، جنرل نیازی، جنرل ایوب جنرل یحییٰ اور جنرل اعظم جیسے قوم کے عظیم سپوتوں کو نہیں بھولے۔ جنرل نیازی کو ہار پہنائے جا سکتے ہیں تو جنرل ٹکا کی تصویر آپ کے رسالے کے ٹائیٹل پر کیوں نہیں چھپ سکتی۔ جنرل نیازی مشرقی پاکستان میں شکست کے وقت وہاں فوجی کمانڈر تھا اور ٹکا خان کا جانشین۔ گو خدا نے اسے ابھی تک اسے بنگلہ دیش میں اپنا کردار موجودہ پاکستان میں دہرانے کا موقعہ نہیں دیا۔ مگر ٹکا خان کو بلوچستان میں موقعہ ملا۔ آپ جنرل ٹکا کو ہار پہنانے کی مسلسل اور سنجیدہ کوشش کرتے رہے تو خدا ضرور ٹکا خان سے کوئی اہم کام لے گا اور آپ کے مہاجر شاؤنزم کی تسکین ہو جائے گی۔ زیادہ لمبا خط نہیں لکھنا چاہتا صرف حبیب جالب کا شعر سن لیجیئے

آؤ بچو تمہیں دکھائیں شکل ٹکا خان کی
جس کی خاطر دی قربانی ہم نے لاکھوں جان کی

اقبال خان۔ فیصل آباد

مزدوروں کا جلوس

الفتح ۲۴ فروری تا ۳ مارچ کا شمارہ پڑھا۔ تمام مضامین پڑھے چونکہ میں راولپنڈی میں رہتا ہوں اس لیئے پنڈی یا اسلام آباد کی خبروں یا تبصروں پر خصوصی توجہ ایک نفسیاتی عمل ہے۔ مجھے یہ پڑھ کر افسوس ہوا کہ آپ کے اسلام آباد کے نمائندے مسٹر حمید شیراز نے اپنے مضمون "نعمان قیوم آئین میں ترمیم کا مسودہ تیار کر رہے ہیں" میں غلط بیانی سے کام لیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۳ آخری کالم کہ "پاکستان پیپلز پارٹی نے اعلان کیا تھا کہ سانحہ ملتان پر مزدور تنظیموں کے ساتھ ملکر ۱۷ فروری کو یوم جدوجہد منایا جائے گا اس روز پنڈی میں کارکنوں نے بنک روڈ پر ایک مشعل بردار جلوس نکالا۔ حالانکہ راولپنڈی میں جولائی کے بعد آج تک پیپلز پارٹی کسی قسم کا کوئی جلوس نہ نکال سکی۔ سوائے مزاروں پر دعاؤں کے جلوس پنڈی کی مختلف مزدور تنظیموں جائنٹ لیبر ایکشن کمیٹی، پیپلز لیبر فرنٹ اور قومی مزدور محاذ اور دیگر مزدور تنظیموں نے ملکر نکالا تھا اور اس کا باقاعدہ اعلان پندرہ دن پہلے سے ہی اخباروں میں کرایا تھا اس روز پیپلز پارٹی کے چند کارکن بھی جلوس میں شامل ہو گئے تھے لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ پنڈی میں پیپلز پارٹی کے کارکنوں نے جلوس نکالا۔ آپ کے نمائندے نے سنی سنائی خبر دی۔ جس سے مزدوروں اور ترقی پسند دوستوں کو دکھ ہوا ہے امید ہے کہ آپ یہ خط شائع کر کے لوگوں کی غلط فہمیوں کو دور کریں گے۔

خالد محمود شوق راولپنڈی۔

ٹکا خان [illegible] جدوجہد

الفتح کا ۳۔۱۰ مارچ ۱۹۷۸ء والا شمارہ دیکھا۔ اور مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مجھے بڑی مایوسی ہوئی یہ دیکھ کر کہ آپ نے دوسرے مسائل پر اظہار خیال میں سندھ کے ۴ مارچ ۱۹۷۰ء کے ہونے والے اہم واقعہ کو فراموش کر دیا جو قومی حقوق کی جدوجہد میں ایک یادگار دن ہے۔ کیا سندھ پر جان دینے والے شہید جنرل ٹکا خان سے بھی زیادہ بے وقعت ہیں یہی ٹکا خان جن پر آپ نے اپنے قیمتی رسالے کے کئی صفحات صرف کیے ہیں میں انہیں فراموش نہیں کر سکتا۔ بنگلہ دیش اور بلوچستان کے بھی جان لیوا تجربات تاریخ کے صفحات میں تازہ ہیں اس سے پہلے وہ سندھ میں سندھی زبان کی لازمی تدریس کو ختم کرنے کا مبارک کام انجام دے چکے ہیں ان کا مقام بہت بلند ہے میں آپ سے سوال کرنا چاہتا ہوں کہ ان لوگوں کی حمایت کر کے آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ یہ دونوں باتیں جو میں نے اوپر بیان کیں آپ کی پالیسی سے میرے اختلافات کی طرف اشارہ کرتی ہیں آپ کی پالیسی میں میری دلچسپی اس وقت پیدا ہوئی تھی جب آپ نے قومیتوں کے حقوق کی بات کرنا شروع کی تھی کیا میں یہ سمجھوں کہ آپ نے یہ صرف اپنے وقتی مقصد کے لیئے کیا تھا اور یہ کہ آپ کا ULTIMATE مقصد پیپلز پارٹی کی حمایت ہے۔ پیپلز پارٹی کی حمایت کے بارے میں ترقی پسندوں کے خیالات عموماً بہت زیادہ مختلف نہیں لیکن وہ انقلابی اور قوم پرست تحریک کی بابت میں اپنے اصل مقصد کو بھلا دینا کوئی قبول نہیں کر سکتا کیونکہ اس پارٹی کے دور حکومت کے کارناموں سے آپ مجھ سے زیادہ واقف ہیں۔ کیا آپ وضاحت کریں گے کہ آپ کی پالیسی کا رخ پیپلز پارٹی کی حمایت ہے یا اس عوامی تحریک کی جو مظلوم طبقات اور قومیتیں اپنے حقوق کے لیئے چلا رہی ہیں ویسے بعض رسالوں کی پالیسی تو صرف اپنے پرچے کی سرکولیشن ہوتی ہے لیکن میں الفتح کو ان رسالوں میں شمار نہیں کرتا اور اس کے کردار کا معترف ہوں جو اس نے اپنی اشاعت کے آغاز سے اب تک ادا کیا ہے یہ کردار بجا طور پر قابلِ فخر ہے۔

اجمل کمال کراچی

Regd. No. S-2772

Weekly "Al-Fatah" Karachi

ہالہ میں "پنجابی آبادکاروں کے خون سے ہولی" یا

سندھ میں

پنجابی سندھی فساد کی خوفناک سازش

الفتح کے خصوصی نمائندوں احسان عظیم اور محمد نواز خلجی کی رپورٹیں

صفحہ ۳۳ پر

حاجی محمد صدیق ▸ قاضی محمد اعظم ▴ میراں علی شاہ کی درگاہ ▾ مخدوم محمد نواز ▴